(جو رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے، اس نے اللہ کی اطاعت کی)

جلد | 5

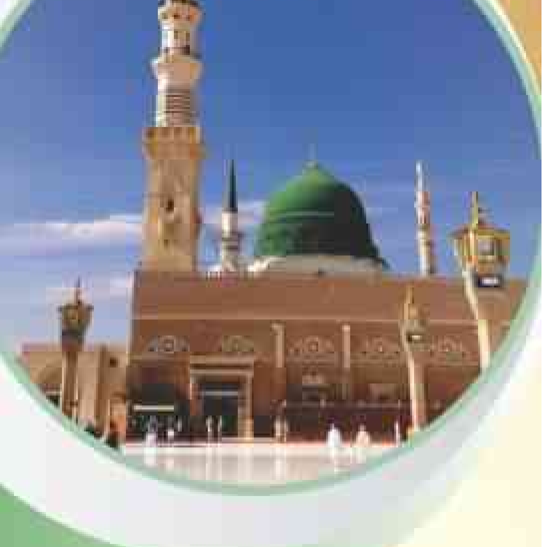
گلدستۂ سنت

اصلاحی بیانات

حافظ محمد ابراہیم نقشبندی مجددی مدظلہ

خلیفۂ مجاز

حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ



پسند فرمودہ

صاحبزادہ حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

الکہف پبلیکیشنز

AL-KAHAF PUBLICATIONS

(جو رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی)

جلد 5

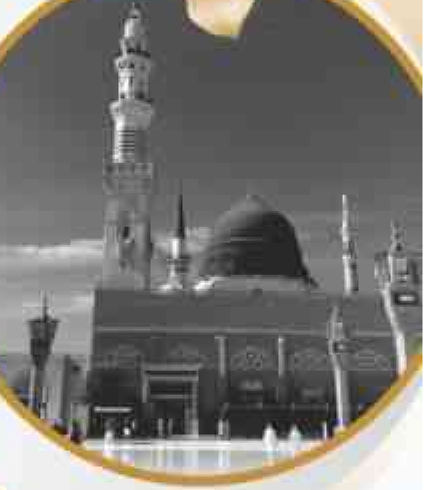
گلدستۂ سنت

اصلاحی بیانات

حافظ محمد ابراہیم مجددی نقشبندی مدظلہ

خلیفۂ مجاز

حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ



پسند فرمودہ

صاحبزادہ حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

الکہف پبلیکیشنز

AL-KAHAF PUBLICATIONS

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب .... گلدستۂ سنت جلد 5

از افادات .... [illegible]

پروف ریڈنگ و تخریج .... مولانا محمد عمار صاحب، دیگر علمائے کرام
(فاضل جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی)

مرتب .... مولانا قاری محمد عمران خان صاحب
([illegible])

کمپوزنگ .... حافظ عبدالوحید اعوان (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

اشاعت اول .... مارچ 2018ء

تعداد 2200

الکہف ایجوکیشنل ٹرسٹ
AL-KAHAF EDUCATIONAL TRUST

فیس بک: فیس بک پر براہ راست بیانات کے کلپس اور احادیث حاصل کریں۔ fb.com/ishqeilahi1

Twitter: لائیو بیانات کے اوقات کے متعلق جاننے اور روزانہ ایک حدیث پاک اپنے موبائل پر حاصل کرنے کے لیے اپنے موبائل سے یہ میسج سینڈ (Messege Send) کریں۔ ہر بیان شروع ہونے سے قبل آپ کو اطلاع دے دی جائے گی۔ ان شاء اللہ
Twitter: F ishqeilahi Send 40404
نوٹ: مذکورہ کوڈ صرف پاکستان کے لیے ہے۔ بیرون ممالک والے حضرات ہمیں ای میل کرکے یا واٹس ایپ پر میسج کرکے اپنے ملک کا کوڈ حاصل کرسکتے ہیں۔

whatsapp: کے کلپس حاصل کرنے کے لیے ان نمبروں پر رابطہ کریں۔ 0321-4159902 ,0300-9406489

www.ishqeilahi.com
Email:info.ishqeilahi@gmail.com

اِنتساب

اپنے شیخ حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد

کے نام جن کی بے پناہ محبتوں اور شفقتوں نے اس بندے
کے دل میں ایمان کی شمع کو روشن کر دیا۔

حافظ محمد ابراہیم نقشبندی

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم صل على سيدنا محمد النبي

الأمي وعلى آله وصحبه وبارك وسلم



فہرست مضامین

توکل اور قناعت 41

تجارت کے اُصول 59

لوگوں کے ساتھ میل جول 73

کم بولنا، اچھا بولنا 95

نکاح میں برکات کیسے حاصل کریں؟ 117

ماہ محرم پارٹ 2 139

پردہ پوشی 157

امانت داری 175

موت کا وقت مقرر ہے 199

کن حالات میں موت افضل ہے؟ 213

موت کے بعد کفن اور غسل 225

قبر کے تین سوال 233

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے الکھف ایجو کیشنل ٹرسٹ کے زیر انتظام چھپنے والی کتاب گلدستہ سنت کی جلد 5 آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ نعمتوں اور رحمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ

آگے چلنے سے پہلے میں میں ضروری سمجھتا ہوں کہ الکھف ایجو کیشنل ٹرسٹ کا تعارف بھی کرواتا چلوں۔ الکھف ایجو کیشنل ٹرسٹ زندگی کے مختلف شعبوں میں سرگرم عمل ہے جن میں ادارے کے افراد کے لیے ٹرانسپورٹ کا انتظام، رمضان پیکج وغیرہ اور اسی ٹرسٹ کے زیر اہتمام مختلف شعبوں میں پڑھنے والی طالبات کے لیے شادی کا انتظام، اور الحمدللہ اب اسی ٹرسٹ کے زیر انتظام الکھف سلائی سنٹر کا قیام بھی وجود میں آچکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ابراہیم اکیڈمی کے تحت آن لائن نہ صرف درسِ نظامی کی کلاسز بلکہ قرآنی عربی و دیگر آن لائن کلاسز بھی شروع ہیں اس کے علاوہ کالجز، یونیورسٹیز کے طلباء وطالبات اور طبقہ کے لیے Presentations کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہے۔ نیز الکھف ہاسٹلز فار بوائز الکھف طب نبوی کلینک (جس

میں سنت، دعا، دوا، غذا اور حجامہ سے لوگوں کے علاج ومعالجہ کا انتظام کیا جا چکا ہے)۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ علاوہ ازیں الکھف ایجوکیشنل ٹرسٹ کے چند مزید منصوبوں پر کام شروع ہے جن میں الکہف سکول سسٹم، الکہف اکیڈمیز سرفہرست ہیں۔

زیر نظر کتاب گلدستۂ سنت کی جلد 5 دن اور رات کی مبارک سنتوں پر مشتمل ایک سیریز ہے جس کا مقصد عملی زندگی میں سنتوں کو لاکر زندگی کو اللہ کے نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مطابق ڈھالنا ہے۔ اور بعض حضرات نے (جن میں علماء کرام بھی شامل ہیں) سنت کی افادیت کو سامنے رکھتے ہوئے باقاعدہ اس کی تعلیم شروع کروادی ہے۔ اور الحمدللہ جو فرضوں سے غافل تھے وہ سنتوں کی طرف کھچے چلے آرہے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے سب سے بہترین طرز حیات اپنائیں اور وہ نبی ﷺ کا ہے۔ اس طرز حیات کو سیکھنا کتنی بڑی عبادت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمارہے ہیں: ایک دن علم کی تلاش کرنا سیکھنا، تین ماہ کے نفلی روزے رکھنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور ایک گھڑی (لمحہ) دین سیکھنے میں لگانا، پوری رات نوافل میں کھڑے رہنے سے بہتر ہے۔

(الدیلمی فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

اور علم دین سیکھنے سکھانے والی محافل کو جنت کے باغات کہا گیا ہے۔ (الطبرانی)

اللہ تعالیٰ ہمارے لیے دنیا وآخرت میں آسانیوں والا معاملہ فرمائیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو پوری زندگی دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ آمین

کان اللہ لہ عوضا عن کل شیءٍ

دعا گو و دعا جو! محمد ابراہیم نقشبندی

چیئرمین الکہف ایجوکیشنل ٹرسٹ ٹاؤن شپ لاہور

عرضِ مرتب

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گلدستہ سنت کی پانچویں جلد آپ کی خدمت میں آچکی ہے۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْد یہ کتاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سنتوں کی ایک سیریز ہے جو اہلِ ایمان کے دلوں کوسنتوں کی محبت سے لبریز کررہی ہے۔آپ تمام احباب عزم مصمم وارادہ ضرور کرلیجیے کہ نہ صرف ہم خود بھی عمل کی کوشش کریں گے بلکہ جہاں تک ممکن ہوان سنتوں کی تعلیمات کو آگے بھی شئیر کریں گے۔ ان تعلیمات کو آگے پہنچانے والوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعافرمائی ہے۔

اے اللہ! میرے خلفاء پہ رحم فرمادیجیے! صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو دوسروں کو میری احادیث وسنت کی تعلیم دیتے ہیں۔(مسنداحمد) اورعلماء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ ایسے لوگوں کوایمان نصیب فرمائیں گے۔ کیونکہ جولوگ حدیث وسنت کی تعلیم دیتے ہیں، ان کے لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ہے، کہ اے اللہ! ان لوگوں پر رحم فرما اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر دعا مقبول ہے، جس پر اللہ رحم فرمائیں گے اسے بھلا کیونکر ایمان سے محروم کریں گے؟ یقیناً انہیں ایمان نصیب ہوگا۔ اس

کے علاوہ ایک روایت میں آتا ہے، کہ جس نے دو حدیثیں پڑھ لیں تا کہ وہ خود بھی ان سے نفع اُٹھائے یا دوسرے لوگوں کو ان کی تعلیم دے، تو ان دو احادیث کا سیکھنا اس کے لیے ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (مفتاح الجنۃ، ص47)

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے علوم حاصل کرنے اور پڑھنے پڑھانے والوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ''سیکھنے سکھانے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان سے ہیں، بے شک وہ آپ کی خدمت کی صحبت تو نہیں حاصل کر سکے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ سے فائدہ تو اُٹھاتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ہر ہر حرف کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر نہ صرف ہماری بلکہ ہماری آنے والی نسلوں کی بھی مغفرت کا ذریعہ بنائیں آمین۔ تمام قارئین سے عاجزانہ درخواست ہے کہ زیر کتاب میں کسی بھی قسم کی غلطی دیکھیں تو ادارے کو مطلع فرمائیں یہ نہ صرف آپ کا احسان ہوگا بلکہ صدقہ جاریہ بھی ہوگا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

مولانا قاری محمد عمران خان
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ



رزق میں حلال کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَا دِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ط (المؤمنون:51)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

نشہ کی حرمت

اُمّ المؤمنین امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورۂ بقرہ کی آیات جوشراب کے متعلق ہیں، نازل ہوئیں تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور فرمایا کہ شراب کی تجارت حرام کردی گئی ہے۔ (صحیح بخاری: رقم2113)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے (خود) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فتح مکہ کے دن یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی تجارت کو حرام قرار دیا ہے۔ (صحیح بخاری: رقم 2121)

حدیث پاک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خدا کی لعنت ہو شراب پر، اُس کے پینے والے پر، پلانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، بنانے والے پر، جس کے لیے بنائی گئی اس پر، اُٹھا کر لے جانے والے پر، جس کی طرف اُٹھا کر لے جائی گئی اس پر۔

(سنن ابی داؤد: رقم 3674)

یعنی جتنی بھی چیزیں ہوسکتی تھیں تمام کو منع کر دیا گیا۔ یہ صرف شراب ہی کی بات نہیں ہے، جتنے قسم کے نشے ہیں سب کا یہی حکم ہے۔

حلال کا اپنا اثر ہے

قرآن پاک کی آیت ہے:

كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (المؤمنون: 51)

ترجمہ: ''پاکیزہ چیزوں میں سے (جو چاہو) کھاؤ، اور نیک عمل کرو''۔

غذا کا اور انسان کا اعضاء و جوارح کا آپس میں بڑا زبردست جوڑ ہے۔ اگر غذا ہماری حرام ہوگی تو اعمال بھی ہمارے گناہوں والے ہوں گے، اور غذا ہماری حلال ہوگی تو اعمال بھی اِن شاء اللہ پاکدامنی والے ہوں گے اور نیک ہوں گے۔ حضرت جی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ جسم کا جو Tissue حرام غذا سے بنے گا اُس کو گناہ کیے بغیر چین نہیں آئے گا، گناہ کر کے رہے گا۔ تو اپنی کمائیوں کو حلال کرنے کی ضرورت ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی دوسرے کی مجبوری کی وجہ سے اُس سے سستے داموں چیز خرید لیتا ہے۔ مثلاً کوئی مجبور یا پریشان حال تھا، اب وہ اپنی جگہ بیچ رہا ہے۔ عام طور سے زمینوں میں ایسا ہوتا ہے، لیکن اور بھی چیزیں ہیں۔ جیسے بعض دفعہ عورتیں زیورات بیچتی ہیں، گھر کی چیز بیچنے کی نوبت آجاتی ہے۔ اس سلسلے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو مکمل رہنمائی دی ہے۔ اگلے کے ساتھ جو مرضی کرو والا معاملہ نہیں ہے۔

پریشان حال سے لین دین کرنا

ابوداؤد شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجبور اور پریشان حال کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد: رقم 3382)

کیا مطلب؟ علماء نے اس حدیث کی شرح میں دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

ایک یہ کہ کسی کو مجبور کیا جائے کہ تمہارے پاس یہ چیز ہے، اسے تم مجھے اتنے داموں بیچو۔ اور اس سے زبردستی کر کے خریدا جائے۔ یہ غصب کہلائے گا جو کہ ناجائز ہے۔

دوسرا مطلب یہ کہ کوئی آدمی کسی بھی مصیبت کی وجہ سے مجبور اور پریشان ہو جائے اور اپنا سامان کم داموں فروخت کرنے لگے۔ ایسا آدمی عام طور سے رعایت کر کے بیچتا ہے تو حدیث شریف میں رعایت سے لینا منع کیا گیا۔ فرمایا کہ جو عرفاً مارکیٹ کی قیمت ہے، اس پر لیا جائے، اس کی مجبوری کو Cash نہ کیا جائے۔ بلکہ علماء نے تو یہاں تک لکھا کہ اگر تمہارے پاس گنجائش ہو تو تم اسے نقد ادا کر دو، یا اُدھار کے طور پر دے دو کہ وہ اپنی پریشانی دور کر لے اور تمہارے لیے اجر کا ذریعہ بن جائے۔

ایک سودے پر دوسرے سودے کی ممانعت

قربان جایئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اُمت کو تجارت کے مزید اُصول بھی بتائے

ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کوئی مسلمان اپنے بھائی کی تجارت پر تجارت نہ کرے۔ (صحیح مسلم: رقم 1515)

اس کے بھاؤ تاؤ پر اپنا بھاؤ تاؤ نہ کرے۔ یہ بات بہت زیادہ سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ ایک جگہ Sale ہو رہی تھی۔ دو آدمیوں کے درمیان بات چیت چل رہی تھی۔ بیچنے والے نے مثلاً پچاس لاکھ کا مطالبہ کیا اور دینے والے نے چالیس لاکھ پر رضامندی ظاہر کی۔ اور دونوں کی بات کرتے کرتے پینتالیس لاکھ پر طے ہوگئی۔ اب تیسرا شخص آکر چھیالیس لاکھ دینے کی بات نہ کرے۔ حدیث شریف میں اسی کو منع کیا گیا ہے۔ ہاں! اگر دونوں طرف سے بات نہ بنے اور معاملہ ختم، بات چیت ختم تو اب تیسرے شخص کو اس چیز کو خریدنے کے لیے اپنی آفر دینے میں مضائقہ نہیں ہے۔ بس اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ جب دو آدمیوں کی بات چل رہی ہو تو ان کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یہ بات اخلاقیات کے بھی خلاف ہے۔

سودے بازی میں قسم کھانے کی ممانعت

اسی طرح خرید و فروخت میں قسم کھانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ خرید و فروخت میں قسم کھانے سے سودا تو بِک جاتا ہے، لیکن برکت چلی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری: رقم 1981)

آج زندگیوں میں برکتیں نہ رہیں۔ گھروں میں برکتیں نہ رہیں، نمازوں میں برکتیں نہ رہیں، اعمال میں برکتیں نہ رہیں۔ اس کی بہت بڑی وجہ ہماری کمائی کا صاف نہ ہونا ہے۔ ایک اور حدیث سنیں اور جو تاجر حضرات ہیں وہ دل کے کانوں سے سنیں!

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اللہ ربّ العزّت قیامت کے دن تین آدمیوں سے گفتگو نہ فرمائیں گے، نہ اُن کی طرف نظرِ رحمت کریں گے، اور نہ اُنہیں پاک وصاف فرمائیں گے، اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ یہ بات رحمۃ للعالمین ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا: خَابُوْا وَخَسِرُوْا (بڑے گھاٹے والے ہیں، بڑے خسارے والے ہیں) اے اللہ کے رسول! یہ کون لوگ ہیں؟ (ہمیں بتائیں تاکہ ہم تو بچیں) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

1 ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لٹکانے والا 2 احسان کرکے جتلانے والا

3 جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان بیچنے والا۔ (صحیح مسلم: رقم 106)

تیسرے کو تو سن لیا، اب باقی دو سے متعلق بھی تفصیل سن لیجیے!

1 ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لٹکانے والا

وہ مرد جس کے ٹخنے ڈھکے رہیں، پاجامے سے ڈھکے رہیں، پینٹ سے ڈھکے رہیں، کسی بھی طریقے سے ڈھکے رہیں، تو پکی روایت ہے کہ وہ جہنم میں جلیں گے۔

مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَفِي النَّارِ. (صحيح البخاري: رقم 5787)

ترجمہ: ’’تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ جہنم میں جائے گا‘‘۔

دوسری روایت میں ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ : اَلْإِزَارُ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ وَإِلَى الْكَعْبَيْنِ، لَا خَيْرَ فِيْ أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ. (مسند أحمد: 415/19)

ترجمہ: ’’حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تہبند کی حد نصف پنڈلی اور ٹخنوں تک ہے، اس سے نیچے کرنے میں کوئی خیر نہیں ہے‘‘۔

اور آج کل سارا معاملہ ہی اُلٹا ہوگیا۔ عورتوں کے ٹخنے ننگے ہو رہے ہیں، بلکہ پنڈلیاں بھی ننگی ہو رہی ہیں، اور مرد حضرات پاؤں بھی چھپا رہے ہیں۔ بسا اوقات مردوں کی شلواریں یا یہ انگریزی پینٹ زمین کو لگ رہی ہوتی ہیں، اور ذرا اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ کوئی گناہ مجھ سے ہو رہا ہے۔

2 احسان کر کے جتلانے والا

اب ہم دیکھیں کہ جب کسی کی ہم کوئی مدد کرتے ہیں تو زندگی بھر اس پر احسان ہی جتلاتے رہتے ہیں۔ کیا میں نے تمہارے ساتھ یہ بھلائی نہیں کی تھی؟ فلاں موقع پر میں نے تمہاری مدد نہیں کی تھی۔ علامہ ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ دوسرے پر احسان جتلاتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ میں نے تو تمہارے ساتھ یہ یہ بھلائیاں کی ہیں۔ (اپنے احسانات گِن رہا تھا) تو ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا: خاموش ہو جا! اس نیکی میں جسے گِنا جائے، کوئی بھلائی نہیں ہے۔

فرمایا پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ان تینوں شخصوں کو قیامت کے دن دردناک عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت کے مستحق نہیں بنیں گے۔ اللہ ان کو پاک نہیں کرے گا۔

بس عجیب ہمارے حالات چل رہے ہوتے ہیں۔ جتنی باتیں عرض کی جاتی ہیں، اسے اپنی زندگی میں دیکھیں اور پھر سنت طریقے کو اختیار کریں۔

چوری کا مال بیچنا

اسی طرح تاجر حضرات بعض مرتبہ کمپنی سے یا صحیح بندے سے جو اصل مالک ہوتا ہے، اس سے مال خریدتے ہیں وہ تو ٹھیک ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ لیکن بعض مرتبہ ان کے پاس چوری کا مال بھی آجاتا ہے۔ اس کی مثال موبائل فون سے سمجھ لیجیے۔ یہ چیز

بہت زیادہ عام ہے۔ بہت زیادہ موبائل فونز چوری ہوتے ہیں، اور پھر مارکیٹوں میں جاتے ہیں اور دوکاندار فوراً اس کو خرید لیتے ہیں۔ اگر وہ نہ خریدیں تو چوری یا بالکل ختم ہوجائے، یا پھر کم از کم بہت کم ہوجائے گی۔ اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے سنیے! اور دل کے کانوں سے سنیے!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چوری کا مال خرید لے اور اسے معلوم ہوجائے کہ یہ چوری کا مال ہے تو وہ اس کی برائی اور گناہ میں برابر کا شریک ہے۔ (مستدرکِ حاکم: رقم 2300)

معلوم ہوجانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پوری تفصیلات اسے معلوم ہو جائے۔ اندازے سے پتا لگ گیا، غالب گمان ہوگیا کہ یہ اس کا نہیں ہے، کسی کا لایا ہے، تو اب احتیاط کرنا ضروری ہے۔ چور نے تو چوری کی لیکن دوکاندار اپنی دوکان پر بیٹھے ہوئے اس سے چوری کے بھاؤ جب چوری کا مال خرید رہا ہے، تو پھر وہ بھی گناہ میں شریک ہے۔ اس لیے چاہیے کہ بہت احتیاط کے ساتھ ہم کمائی کا معاملہ رکھیں۔

کمائی میں مشتبہ چیزوں سے بچنا

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، ان کے درمیان کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مشتبہات میں سے ہیں جس سے بیشتر لوگ واقف نہیں (کہ آیا یہ حلال ہے یا حرام) جو آدمی ایسے مشتبہات کو چھوڑ دے گا یہ اپنے دین کو اور اپنی عزّت کو بچالے گا۔ اور جو ایسی چیزوں کو اختیار کرے گا، تو وہ قریب ہے کہ حرام میں گرفتار ہوجائے گا۔

(صحيح البخاري: رقم 1946، باب الحلال بيّن والحرام بيّن وبينهما مشتبهات)

انسان آہستہ آہستہ ہی برائی کی طرف جاتا ہے۔ اس لیے اس کی کوشش کرنی چاہیے

کہ حلال تک ہی اپنے آپ کو محدود رکھا جائے، مشتبہ چیزوں کی طرف جائے ہی نہیں۔ جب انسان کچھ غلط کام کرنے لگتا ہے تو دل کے اندر کھٹکا پیدا ہونے لگتا ہے۔ دوکان پہ بالکل ٹھیک بیٹھا ہوتا ہے، دل مطمئن ہوتا ہے۔ اور پھر کوئی معاملہ غلط ہوگیا تو بعض مرتبہ دل کھٹکنے لگتا ہے۔ جب یہ دل کھٹکنے لگے، تو بس اُس معاملہ کو چھوڑ دیں۔ اسے ویسا نہ کریں جیسا کر رہے ہیں۔ رُک جایئے۔ ایمان والے کا دل جب گواہی دیتا ہے، بولتا ہے، کھٹکنے لگتا ہے تو کوئی بات ہوتی ہے۔ بس اُس چیز کو چھوڑ دیں، احتیاط والی تجارت یہی ہے۔ یہ اصل لوگ ہیں جو اپنی اولاد کا نفع دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم انہیں کیا دے رہے ہیں۔

ورنہ آج کل جو کمائی حرام ہوتی چلی جا رہی ہے، تو آپ چند سالوں کے بعد دیکھیے گا کہ ہمارے ملک میں آپ کو Old House بنے نظر آئیں گے۔ اور 20,10 سال کے بعد آپ دیکھیے گا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ کیوں کہ ہم نے جس راستے کو پکڑا ہے وہ کفار کا راستہ ہے، یہود و نصاریٰ کا راستہ ہے۔ وہاں چوں کہ اولڈ ہومز بن چکے ہیں، اب (اللہ نہ کرے) یہاں آنے ہیں۔ یہ کس وجہ سے ہوسکتا ہے؟ وجہ بالکل دو اور دو چار کے حساب کی طرح واضح ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے دین کو چھوڑ دیا، اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک طریقوں کو چھوڑ دیا۔ اب جو آج یورپ میں ہو رہا ہے، وہ 20، 25 سال بعد یہاں دیکھ لیں۔ میرے بھائیو! بات تو غلط ہے، کہنی نہیں چاہیے، لیکن کیا کریں کہ ہم نے حالات ہی ایسے پیدا کر دیے ہیں۔ وہاں کئی ملکوں میں قانون ہے کہ والد کا نام نہ پوچھا جائے۔ تو کچھ ایسا ہی راستہ ہم نے بھی وہیں سے لے لیا ہے۔

اس کے علاوہ تجارت میں بعض مرتبہ سود کا معاملہ بھی شامل ہوجاتا ہے، اس کے لیے بھی سمجھنے کی چند باتیں ہیں۔

سود کی برائی

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: سود کے ستر درجے گناہ ہیں، اور سب سے کم ترین درجہ ایسا ہے جیسا کوئی اپنی ماں کے ساتھ گناہ کرلے۔ (مشکاۃ المصابیح: رقم 2826)

ایک بالکل صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں: جس بستی میں سود اور زنا عام ہوجائے، وہاں کے لوگ اللہ کا عذاب اپنے اوپر حلال کرلیتے ہیں۔ (مستدرکِ حاکم: رقم 2308)

اور آج یہ دونوں چیزیں ہمارے معاشرے میں بہ کثرت موجود ہیں۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: چار قسم لوگ ایسے ہیں کہ اللہ پاک انہیں جنت میں داخل نہیں کریں گے، اور نہ انہیں جنت کی نعمتوں کا مزا چکھائیں گے:

1. شراب کا عادی
2. سود کھانے والا
3. یتیم کا مال ناحق کھانے والا
4. والدین کا نافرمان۔ (مستدرکِ حاکم: رقم 2197)

اور آج ہم اس زمانے میں آچکے ہیں کہ جو لوگ سود سے بچنا چاہتے ہیں، پھر بھی کہیں نہ کہیں سے اُن کو پریشانی آ ہی جاتی ہے۔

دوسری جگہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ (بہ کثرت) سود کھائیں گے، اور جو اس سے بچنا بھی چاہے گا تو پھر بھی اس (سود) کا دھواں اور غبار اُس کو پہنچ کر رہے گا۔ (سنن نسائی صغریٰ: رقم 4403)

یعنی سود سے بچنا مشکل ترین کاموں میں سے ایک کام ہوگا۔ لوگوں کی اکثریت سود میں مبتلا ہوجائے گی۔ اب جو لوگ تجارت کرتے ہیں بعض مرتبہ واضح اور کھلا سود جس کو ہم Bank Interest کہتے ہیں، وہ نہیں لے ہو رہے ہوتے ہیں، لیکن چوں کہ دین کا علم نہیں، دین کی قدر نہیں، آخرت کی فکر نہیں، قیامت کا ڈر نہیں، کسی عالم سے پوچھنا ہی گوارا نہیں کرتے، اور اپنے معاملات میں سود لے آتے ہیں۔ اور قربِ قیامت سود اور زنا بالکل عام ہوں گے۔ اور یہ دونوں چیزیں آج عام ہیں جس کی وجہ سے ہم پریشانیوں کو دیکھ رہے ہیں۔

سود کے متعلق جو حکم ہے یہ بھی شراب ہی کی طرح تقریباً معاملہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے، اور گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا: یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ (صحیح مسلم: رقم 1598)

سودی کاروبار میں جتنے بھی لوگ شریک ہیں، وہ سب مستحقِ لعنت بن جاتے ہیں۔ الحمد للہ! اب غیر سودی بینک بنام اسلامک بینکنگ آگئے ہیں۔ جیسے میزان بینک کے بارے میں دارالعلوم کراچی والوں سے میں نے خود پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ اور ایک ہے سودی بینک۔

شیطان کی چال

سودی بینک میں کام کرنے والے ایک صاحب سے بات چیت ہوئی تو کہنے لگے کہ جی! ہمارے بینک میں دونوں طرح کے اکاؤنٹ ہیں: 1 سیونگ اکاؤنٹ اور 2 کرنٹ اکاؤنٹ۔ کہنے لگے کہ بینک وہ ویسے سودی ہی ہے، اسلامک بینکنگ نہیں ہے۔

میں اس میں نوکری کرتا ہوں۔ جو کرنٹ اکاؤنٹ ہولڈرز ہیں، ہمیں اُن کی چیزوں کو لینا اور رکھنا ہوتا ہے۔ باقی میرا کسی سے تعلق نہیں ہے۔ اب غور کریں تو معلوم ہو کہ یہ شیطان کا کیسا بہانہ ہے کہ انسان ایک اُسی نظام کا حصہ بنا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ جی! میں صرف اُن چند لوگوں کے لیے کام کرتا ہوں جو کرنٹ اکاؤنٹ ہولڈرز ہیں۔ یہ نفس کے دھوکے ہوا کرتے ہیں۔

ایک قریبی ساتھی ہیں، ان کا بینک سے تعلق ہے۔ میں نے ایک دفعہ ویسے ہی ان سے پوچھا کہ آپ بتایئے کہ آپ جس برانچ میں کام کرتے ہیں، وہاں کتنے اکاؤنٹ ہوں گے؟ کہنے لگے کہ اس کا تو مجھے اندازہ نہیں ہے، لیکن خیر 4 ہزار کے قریب ہوں گے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اس کے اندر سودی کتنے ہوں گے اور کرنٹ والے کتنے ہوں گے؟ تو ان کا گمان تھا کہ شاید 500 کے قریب کرنٹ ہوں گے اور باقی 3500 سودی ہوں گے۔ جب اتنی کثرت سے سود رَگ رَگ میں پھنسا ہو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں کیسے مانگیں گے۔ برکتیں کیسے ملیں گی۔

سود کے ایک درہم کا وبال

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سود کا ایک درہم جو انسان کھالیتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ میں سود کھا رہا ہوں تو یہ اللہ پاک کے ہاں 36 مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مسند احمد: 288/36)

اب جب کوئی تجارت کرنے لگے تو معاملات کو پہلے پوچھ لے، سیکھ لے۔ نہیں تو کم سے کم اتنا ہی کرلے کہ ہر معاملہ کرتے ہوئے کسی نہ کسی عالم سے پوچھ لے، مفتی حضرات سے رابطے میں رہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ معاملات میں سود میں شامل ہو جائے۔

بعض چیزوں میں اُدھار کی ممانعت

بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں اُدھار جائز نہیں۔ جیسے سونا آپ نے خریدنا ہے، یا چاندی خریدنی ہے، اس میں اُدھار نہیں کرسکتے۔ اب گھر کی عورتیں جاتی ہیں اور جاکر سونا خرید لیتی ہیں۔ کسی جیولر کے پاس گئیں اور سیٹ بنوالیا اور اس کو آدھے پیسے ابھی دے دیے اور آدھے پیسے بعد میں دیں گی تو یہ ٹھیک نہیں۔ اس میں اُدھار کرنا سود ہو جاتا ہے۔ آپ نے سونا لیا ایک تولہ، اس نے بل بنا دیا کہ جی آپ پینتالیس ہزار یا پچاس ہزار بل ادا کریں۔ آپ نے کہا کہ آدھے آج لے لو، آدھے کل لینا، یہ بھی منع ہے۔ اور یہ بات میں سمجھتا ہوں کہ اکثر لوگوں کے علم میں نہیں ہوگی۔ اس لیے تجارت کرنے والوں کو چاہیے کہ معاملات کو علماء سے سیکھ لیں تاکہ گناہ سے بچ سکیں۔

اہتمام سے صدقہ دینے کی ترتیب بنائی جائے

تاجر حضرات کے لیے خاص طور سے دو باتیں بہت اہم ہیں۔ سب سے پہلی بات جو حدیث شریف میں آتی ہے کہ تاجروں کو خاص طور سے صدقہ وخیرات مستقل کرتے رہنے کا حکم ہے۔ ایک دو دفعہ کی بات نہیں ہے۔ عام آدمی جو نوکری پیشہ ہے وہ تو سال بعد زکوٰۃ ادا کردے گا اگر صاحبِ نصاب ہے۔ اور کبھی کبھی صدقہ کردے تو اس کی بخشش ہو جائے گی، اور اِن شاء اللہ آسانی ہو جائے گی۔ البتہ تاجر حضرات دن رات عوامی اختلاط میں ہوتے ہیں، ان کو ایک دفعہ کی چھوٹ نہیں ہے، مستقل بنیادوں پر اپنے پاس صدقے کا باکس بنائے رکھیں اور صدقہ دینے کا ایک مستقل سلسلہ رکھیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ معاملات میں غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ دوسرا بات چیت کرتے ہوئے اپنی چیز بیچتے ہوئے بڑی مبالغہ آرائیوں سے کام لیے جاتے ہیں، اور جب کوئی

بیچنے آتا ہے اور اُس سے خریدنی ہوتی ہے تو پینترے بدل رہے ہوتے ہیں۔ منٹ، منٹ میں اس کے ساتھ اور رویہ ہوتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمۃ للعالمین چاہتے ہیں کہ میرے تاجر اُمتی جب قیامت کے دن آئیں تو اُن کے ساتھ رحمت ہی کا معاملہ ہو۔ اور صدقہ دینا سے گناہ معاف ہوتے ہیں، بلائیں ٹلتی ہیں، بُری موت سے انسان بچتا ہے۔

حضرت قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ عہدِ نبوی میں سماسرہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے قریب سے گزرے اور ہمارا اس نام سے بہتر نام مقرر فرما دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اے تاجروں کی جماعت! خرید و فروخت میں نامناسب باتیں اور قسمیں وغیرہ ہوجاتی ہیں، تم صدقے کے ذریعے اس کی تلافی کرلیا کرو۔ (سنن ابی داؤد: رقم 3326)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی احتیاط بھی بتا دی ہے۔ اس لیے قبل از پریشانی بہتر ہے کہ انسان روز ہی صدقہ کرے۔ تاجروں کو چاہیے کہ روزانہ صدقے کا معمول رکھیں۔ اس کے لیے ایک ترتیب بنالیں۔ زکوٰۃ تو سال بعد دینی ہی دینی ہے، اُس میں کیا کوئی کمال ہے، وہ تو فرض ہے، لیکن ہم اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کے لیے، کام اور کاروبار کی کمی بیشی کی پکڑ سے اپنے آپ کو قیامت کے دن بچانے کے لیے ایک ترتیب بنالیں۔

اگر کوئی تاجر اپنی کمائی کا 10% اللہ کو دے دے تو اس کا کیا نقصان ہوجائے گا۔ ایک آدمی سارا دن Sale کرتا ہے اور اس کی Sale چالیس پچاس ہزار ہوتی ہے۔ اور پچاس ہزار میں اسے 2000 روپے کا نفع مل جاتا ہے۔ اُس 2000 میں سے 200 روپے اللہ پاک کے راستے میں روز نکال دیں۔ چلو! زیادہ ہمت نہیں ہے، دل تنگ ہوتا ہے تو سو روپے نکال دیں۔ ایک تو مال کبھی کم نہیں ہوگا، آسانی ہوجائے گی۔ اور یہ جو کاروبار میں غلطیاں ہوجاتی ہیں، یہ دور ہوجائیں گی۔ لیکن اس کا مطلب یہ

نہیں کہ License to kill مل گیا کہ اب غلطیاں بھی کرتے جاؤ، دونمبری بھی کرتے جاؤ اور صدقہ بھی نکالے جاؤ، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر کوئی مالِ حرام سے صدقہ کرے گا تو ویسے ہی اس کے لیے وبال ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاک چیزوں کو پسند فرماتے ہیں۔ اللہ کے لیے پاک ہی مال ہو تو قبول ہوتا ہے، ناپاک قبول نہیں ہوتا۔

ایک قلبی مثال

ایک مرتبہ کسی صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ اگر کسی کے پاس حرام کی کمائی ہے تو وہ اللہ کے راستے میں کیوں نہیں دے سکتا؟ قدرتاً اللہ ربّ العزّت نے دل میں ایک بات ڈالی۔ میں نے کہا کہ دیکھو بھئی! اللہ ربّ العزّت تو اللہ ربّ العزّت ہیں۔ میں ایک عام سی بات کرتا ہوں۔ بھئی! میں ایک عام سا بندہ ہوں۔ آپ مجھے اچھا سمجھتے ہیں۔ نیک سمجھتے ہیں۔ مجھ سے بیعت ہیں۔ آپ کے گھر میں اگر کوئی Pig لے کر آئے اور آپ مجھے فون کر کے کہیں کہ حضرت! Pig آیا ہے، ہم رات کو پکائیں گے، آپ آیئے گا اور کھایئے گا، بڑا لذیذ ہوگا۔ اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ کہنے لگے کہ مجھ پر آپ کی اس بات سے سر سے پاؤں تک لرزہ طاری ہوگیا۔ میں نے کہا کہ ایک عام بندے کے لیے یہ خیال ہے تو اللہ ربّ العزّت کے لیے کیا گمان رکھنا چاہیے۔

کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جائے

دوسری بات کہ ذکر کی کثرت کریں۔ زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزاریں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے کہ غافلوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو میدانِ جنگ میں بھاگنے والوں سے جم کر لڑتا ہے۔

(فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن رجب: رقم 566، کتاب مواقيت الصلوة)

غفلت کے میدان میں ذکر کرنے والے کے لیے ایک بزرگ محدّث ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بازار کے اندر ذکر کرنے والے سے اللہ ربّ العزّت خوش ہوتے ہیں۔ تاجروں کو چاہیے کہ حرام سے بھی اپنے آپ کو بچائیں اور صدقہ وخیرات کی کثرت بھی کرتے رہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنے کاروبار کے مقام پر خوب اللہ کو یاد کرتے رہیں تاکہ قیامت کے دن کی آسانیاں بھی ان کو ملیں اور زندگی میں برکتیں بھی نصیب ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي

وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ

عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي

اللّٰہ

توکّل اور قناعت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ (المؤمنون:8)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اللہ تعالیٰ کا محبوب

ارشادِ باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق:3)

ترجمہ: ’’اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس (کا کام بنانے) کے لیے کافی ہے‘‘۔

ایک اور جگہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ط (زمر:36)

ترجمہ: ''(اے پیغمبر!) کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟

یقیناً اللہ اپنے بندے کے لیے کافی ہے۔ اور قرآن مجید میں اللہ پر توکّل کرنے والوں کے لیے بتایا گیا ہے کہ اللہ اِن سے محبت کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اللہ سے محبت کریں، اس لیے یہاں مجلس میں بات سننے کے لیے بیٹھے ہیں کہ سن کر عمل کریں گے تاکہ اللہ ہمیں اپنا محبوب بنالے۔ اللہ پر بھروسہ کرنے والے جو لوگ ہوتے ہیں، اللہ ان کو پسند فرماتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کے محبوب اور پیارے ہیں۔ اور ایسے لوگ مرتبۂ محبوبیت پر فائز ہوجاتے ہیں۔ اللہ اکبر! اتنا بڑا مقام ان کو مل جاتا ہے۔

توکّل کیا ہے؟

یہ توکّل کرنا کیا ہے؟ یہ ایک بہت بڑا مقام ہے۔ جس کسی کو حاصل ہوجائے تو وہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک طویل روایت میں سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اُمت کے ستّر ہزار لوگ بغیر حساب وکتاب کے جنت میں جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو تعویذ، فال میں اور داغ کے ذریعہ علاج میں نہ پڑیں گے، فقط اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہوں گے۔ (صحیح بخاری: رقم 5270)

پرندوں کا توکّل

ہمیں اپنے کاموں میں، اپنے معاملات میں، ہر چیز میں بھروسہ کس پر رکھنا ہے؟ صرف اور صرف اللہ ربّ العزّت پر۔ صرف اسی اللہ ربّ العزّت پر بھروسہ رکھنا ہے، اور کسی چیز پر بھروسہ نہیں رکھنا۔ ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی

کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تم اللہ تعالیٰ پر اتنا بھروسہ کرو جتنا اس پر بھروسہ کرنے کا حق ہے تو تم کو پرندوں کی طرح رزق دیا جائے کہ صبح گھونسلوں سے نکلتے ہیں تو خالی پیٹ ہوتے ہیں اور شام کو جب واپس آتے ہیں تو بھرے پیٹ ہوتے ہیں۔ (سنن ترمذی: رقم 2344)

انسان کا توکّل

یہ تو پرندوں کی بات بتلائی گئی۔ اور ہم انسانوں کا معاملہ یہ ہے کہ جب صبح گھر سے نکلتے ہیں تو پیٹ بھرے نکلتے ہیں، ناشتہ کر کے نکلتے ہیں۔ اور رات کو جب گھر واپس آتے ہیں تو خالی پیٹ ہوتے ہیں۔ ان پرندوں کا معاملہ اور ہے، اور ہمارا معاملہ اور ہے۔ بہرحال بات یہ ہے کہ جب آدمی اللہ ربّ العزّت پر بھروسہ کرتا ہے، تو غیبی مدد اور غیبی نصرت کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں اور دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ انسان کا توکّل جتنا بڑا ہوگا، اللہ پر بھروسہ جتنا زیادہ ہوگا، اتنا اس کا کام آسان سے آسان ہوتا چلا جائے گا۔ معمولی اَسباب، کمزور اَسباب، کمزور حالات unfavourable condition میں بھی اللہ ربّ العزّت اس کے لیے کافی ہو جائیں گے۔ بندہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے تو دیکھے۔

ہم چھوٹے دل والے ذرا جلدی دائیں بائیں ہو جاتے ہیں۔ دوسرے لوگ تلاش کرنے لگتے ہیں۔ کبھی پولیس والوں کو تلاش کرتے ہیں، کبھی عامل کو تلاش کرتے ہیں، کبھی کسی اور کو تلاش کرتے ہیں۔ بھئی! وہ کون سا ایسا کام ہے جو اللہ ربّ العزّت نہیں کر سکتے؟ اللہ ربّ العزّت ہر کام کر سکتے ہیں۔ اس لیے اللہ ہی پر توکّل رکھنا چاہیے۔

تعویذات کے پیچھے پڑنا

یہاں تعویذ کی بات آ گئی تو ساتھ میں بات سمجھتے جائیں۔ دیکھیں! ایسے تعویذات جو

صحیح العقیدہ لوگوں نے دیے ہوں، اوران میں لکھے کلمات بھی صحیح ہوں شرکیہ نہ ہوں، اور مجبوری کے وقت استعمال کرنے والا اس تعویذ کو سبب کے درجے میں سمجھے، اوراس کے دل کا پختہ یقین یہی ہو کہ اصل کام اللہ ہی کا ہے۔ اللہ ہی نے سب کرنا ہے، اس سے کچھ نہیں ہونا۔ پھرتو یہ جائز ہے، ورنہ یہ خطرناک راستہ ہے۔ سچ بتارہا ہوں کہ یہ خطرناک راستہ ہے۔ اس راستے پر جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ (البقرة:153)

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو‘‘۔

نماز اور صبر بہترین وظیفہ ہے۔ نماز بہترین تعویذ ہے۔ بس ہم اپنی نماز پر توجہ دیں، صبر کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں، اللہ تعالیٰ کامیابی وآسانی عطا فرمائیں گے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم رہتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم

جو شخص ہمیشہ ظاہر کے پیچھے لگا رہتا ہے، ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔ دل کا اِطمینان عظیم ترین دولت ہے، اسے کھو بیٹھتا ہے۔ صالح بن ابی شعیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی اُتری، جس میں کئی احکامات تھے، اُن میں سے ایک حکم یہ بھی تھا: تم مجھ پر بھروسہ کرو، میں تمہاری کفالت کروں گا۔ اور مجھے چھوڑ کر کسی سے دوستی نہ لگانا، میں تمہیں رُسوا کردوں گا۔ (الزهد لابن أبي الدنيا: رقم63، حديث مقطوع)

ہم اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور اسی پر توکّل کریں، اللہ تعالیٰ آسانی فرمادیں گے۔

اُونٹ باندھ کر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوااور پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اونٹنی کو باندھ کر توکّل کروں یا کھلا چھوڑ دوں پھر توکّل کروں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پہلے باندھو پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔ (سنن ترمذی: رقم 2517)

دنیا دارالاسباب ہے، یہاں اسباب اختیار کرنے ہیں، لیکن نظر اسباب پر نہیں رکھنی۔ سارا امتحان ہی اسی کا ہے۔ کافر کی نظر اسباب پر ہوتی ہے اور مؤمن کی نظر اللہ کی ذات پر ہوتی ہے، خبر پر ہوتی ہے۔ کافر نظر پر یقین رکھتا ہے، اور مؤمن خبر پر یقین رکھتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

ایک واقعہ منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیمار ہو گئے۔ پیٹ میں تکلیف ہو گئی۔ اللہ پاک سے عرض کی تو اللہ پاک نے فرمایا کہ فلاں جڑی بوٹی کھا لیجیے۔ چناں چہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کھالی اور شفا ہو گئی۔ اگلے موقع پر پھر بیمار ہو گئے اور فوراً وہی جڑی بوٹی کھالی۔ لیکن اب کی بار ٹھیک نہ ہوئے تو فریاد کی: یا اللہ! یہ کیا ہوا؟ پہلے ٹھیک ہو گیا تھا، اب ٹھیک نہ ہوا۔ بتایا گیا کہ دیکھو! شفا میرے حکم میں ہے، اس جڑی بوٹی میں نہیں ہے۔ آپ نے پہلی دفعہ نظر ہم پر رکھی تھی تو ہم نے شفا دے دی، اور دوسری مرتبہ میں نظر درخت کی جڑی بوٹی پر تھی، اس لیے شفا نہیں ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جان گئے کہ چاہے معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، ہر حال میں رجوع الی اللہ رکھنا ہے۔

بیماری کی حالت میں ہمیں دوائی کا انتظام کرنا ہے، اہتمام کرنا ہے، لیکن نظر اللہ تعالیٰ پر رکھنی ہے۔ اللہ تعالیٰ شفا کے دینے میں کسی کے محتاج نہیں، مگر پھر بھی اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ یہ ہے سارا معاملہ۔ جیسے دوکاندار آدمی نے دوکان جانا ہے، دوکان پر بیٹھنا ہے، لیکن نظر اللہ پر رکھنی ہے۔ گاہک کون بھیجتا ہے؟ اللہ تعالیٰ بھیجتے ہیں۔ اس کے دل میں کون ڈالتا ہے کہ اس سے خرید لو؟ وہ بھی اللہ تعالیٰ ڈالتے ہیں۔ نظر اللہ پر ہو، نظر

دوکان پر نہ ہو کہ دوکان ہمیں مال دے رہی ہے۔ ورنہ تو دوکان ہی بت بن جائے گی۔ ہمیں دینے والی ذات فقط اللہ کی ہے۔

طلبہ وطالبات محنت کریں

اسی طرح طلبہ وطالبات یقین کے ساتھ، حوصلے کے ساتھ، توجہ کے ساتھ پڑھیں۔ پریشان نہ ہوں تو اللہ پاک آسانی کا معاملہ فرمائیں گے۔ اپنی طرف سے جتنی کوشش کی جاسکتی ہے، وہ کریں۔ کسی موقع پر ہمت نہ ہاریں۔ اور اللہ تعالیٰ پر توکّل کریں تو اللہ تعالیٰ آسانی والا معاملہ کردیں گے اور اِن شاء اللہ کامیابی سے نوازیں گے۔ ہم پریشان نہ ہوا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں۔

کسان اور اس کا کھیت

توکّل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان اسباب اختیار کرنا چھوڑ دے۔ دیکھیں! کسان نے اپنے کھیت کی زمین کو نرم کیا، بیج ڈالا، ہل چلا کر اس نے محنت کی۔ اب یہ توکّل کر رہا ہے، اللہ پر بھروسہ کر رہا ہے کہ فصل ہوگی۔ فصل کی نگرانی بھی کر رہا ہے اور دعائیں بھی کر رہا ہے۔ اس کا یہ اُمید رکھنا حق ہے اور جائز ہے۔ اس کے بالمقابل ایک اور کسان ہے جو گھر بیٹھا رہتا ہے، نہ ہل چلاتا ہے، نہ بیج ڈالتا ہے اور نہ کوئی محنت کرتا ہے، اور خیال کرتا ہے کہ میری کھیتی نکل آئے گی۔ اس کو ہم سب غلط کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ایسے بھی دے سکتا ہے، اور ویسے بھی دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو کسی کی محنت کے محتاج نہیں ہیں، لیکن اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے دارالاسباب بنایا ہے۔ ہم نے محنت کرنی ہے اور محنت کرنے کے بعد نتیجہ اللہ پر چھوڑ دینا ہے کہ فصل بہت اچھی آئے، خراب نہ ہو جائے، ایسے بھی نہ ہو کہ دیکھنے میں تو اچھی نظر آئے مگر وزن ہی نہ ہو۔ پچھلے دنوں بات آئی کہ

جی! گندم دیکھنے میں بڑی اچھی ہے، لیکن وزن میں کسی کام کی نہیں، نقصان ہو گیا۔

آخرت کے معاملے میں توکّل کیا ہے؟

جیسے دنیا کے معاملے میں محنت کرنے کے بعد ہم اچھے نتیجہ کے طالب ہوتے ہیں، اور بغیر محنت کیے اچھے نتیجہ کی امید نہیں ہوتی۔ صرف دنیا کے معاملے میں ہی ایسا نہیں ہے، آخرت کے معاملے میں بھی ایسا ہے۔ نماز بھی ہم نے پڑھنی ہے، اعمالِ صالحہ بھی ہم نے کرنے ہیں، پردہ بھی کرنا ہے، نیکی اور تقویٰ کی زندگی گزارنے کی کوشش کرنی ہے۔ غلطی اور گناہ ہو جائے تو توبہ کرنی ہے۔ ان تمام اعمال کے کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ گمان کریں اور اُمید رکھیں کہ اِن شاء اللہ العزیز مجھے اس کی رضامندی اور فضل سے جنت ملے گی۔ لیکن کوئی نہ پردہ کرے، نہ نماز پڑھے، نہ دین کی بات کرے، فقط گناہوں کے اندر زندگی ہو، اور اعمالِ صالحہ کی فکر ہی نہ ہو پھر ایسے سوچے کہ اللہ غفورٌ رَّحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہماری سوچوں سے بھی زیادہ غفورٌ رَّحیم ہے، لیکن اس دنیا کو دار الاسباب اللہ ہی نے بنایا ہے تو نافرمان کو سزا دی جا سکتی ہے۔

توکّل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے محنت میں کمی نہ کریں اور متوکّلین یعنی اللہ پر بھروسہ کرنے والوں میں شامل ہونے کی دعائیں مانگتے رہیں۔ اے اللہ! ہمیں اُن لوگوں میں شامل فرما دے جو آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور آپ ان کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔ ہم اپنے کاموں کو، اُن کے نتائج کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں اور دل کو مطمئن رکھیں، اور غیر اللہ کی طرف ایک سیکنڈ کے لیے توجہ نہ دیں۔ جتنی محنت ہم کر سکتے ہیں وہ کریں، نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ اور اپنے دل کو مطمئن رکھیں تو اِن شاء اللہ آسانی ہو جائے گی۔ توکّل ترکِ اَسباب اور ترکِ تدبیر کا نام نہیں، اَسباب بھی اختیار

کرنے ہیں اور تدبیر بھی، طریقہ کار بھی اختیار کرنا ہے۔

کارسازِ حقیقی پر اعتماد اور بھروسہ

کیمیائے سعادت نامی کتاب میں توکّل کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں وکیل یعنی کارساز۔ کارسازِ حقیقی پر صدقِ دل سے اعتماد اور بھروسہ کیا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر سچے دل اور اعتماد کے ساتھ بھروسہ کیا جائے۔ پھر اس اعتماد کو مضبوط اور برقرار رکھا جائے تاکہ دل ہمیشہ اطمینان، سکون اور آرام سے رہے۔ اگر ظاہری اَسباب میں کسی وقت کوئی کمی آجائے، خرابی آجائے، کوئی مسئلہ بن جائے تو حوصلہ نہ ہارے، ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ پاک کی طرف سے امتحان ہو۔ خلاصہ توکّل کا یہ ہے کہ ایک خدا ہی پر بھروسہ رکھے، اسی کو کارساز سمجھے، اسی کو کافی سمجھے۔ اللہ تعالیٰ یہ صفت ہمیں عطا فرمائے۔

توکّل کے ساتھ ایک اور نعمت بھی آدمی کو مل جائے تو زندگی میں آسانی ہے۔ وہ کون سی نعمت ہے؟ اس کو قناعت کہتے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

قناعت پسندی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص کامیاب ہے جو اِسلام لایا اور بقدرِ ضرورت رزق ملا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے پر قناعت کی۔ (صحیح مسلم: رقم 1054)

کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ کسی سے کچھ مانگا نہیں۔ بقدرِ ضرورت رزق مل گیا، اس پر صبر کیا۔ جو کچھ اللہ نے اس کو دیا اس پر قناعت کی تو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے مبارک بول ہیں کہ یہ شخص کامیاب ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ ربّ

العزّت اپنے بندے کو اپنی دی ہوئی نعمت میں آزماتے ہیں، اگر بندہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت میں اسے برکت عطا فرماتے ہیں اور کشادگی سے نوازتے ہیں، اور اگر بندہ تقسیم خداوندی پر راضی نہیں ہوتا تو اسے اس نعمت میں برکت نہیں دی جاتی۔ (مسند احمد: رقم 19808)

جب بندہ اللہ کی دی ہوئی نعمت پر راضی ہوتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ اللہ! مجھے تھوڑا ملا، زیادہ ملا، آپ کے دربار ہی سے ملا، میں اس پر راضی ہوں۔ یقین کر لیجیے کہ خیر اس کے لیے منتخب ہوگئی، برکتیں اسے دے دی گئی، وسعت اور فراخی سے وہ نواز دیا گیا۔ قناعت میں برکت اور سکون ہے۔ قناعت کرنے والے کی زندگی پُرسکون گزرتی ہے۔

بنی اسرائیل کے لوگ کہا کرتے تھے کہ ہمارے بہترین افراد وہ ہیں جو قناعت کرنے والے ہیں، اور بدترین افراد وہ ہیں جو لالچ رکھنے والے ہیں۔

قناعت کیسے حاصل ہوگی؟

صحیح مسلم، سننِ ترمذی، سنن ابنِ ماجہ ان تینوں احادیث کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھو، اپنے سے اوپر کے لوگوں کو مت دیکھو۔ یہ بات زیادہ لائق ہے کہ کہیں تم سے اللہ کی نعمت کی تحقیر نہ ہو۔

(صحیح مسلم: رقم 2963، سنن ترمذی: رقم 2450، سنن ابن ماجہ: رقم 4140)

ایک بہترین اُصول اپنی اُمت کو بتا دیا۔ ہمارے پاس دنیا کی جتنی بھی نعمتیں ہیں، یقیناً کئی ایسے بھی لوگ ہوں گے جن کے پاس یہ نعمتیں نہیں ہوں گی جو ہمارے پاس ہیں۔ اس لیے دنیا کے معاملے میں ہم اِن لوگوں کو دیکھیں۔ پھر کیا ہوگا؟ قناعت پیدا

ہوگی، شکر پیدا ہوگا۔ جبکہ دین کے معاملے میں فرمایا کہ اپنے سے اوپر والے کو دیکھو۔ میں تو فقط پانچ نمازیں پڑھتا ہوں، میں نے کون سا کمال کیا۔ وہ تو تہجد بھی پڑھتا ہے، عالم بھی بن رہا ہے، وہ تو مدرسے بھی جاتا ہے، وہ تو اللہ کے راستے میں مال بھی خرچ کرتا ہے، وہ تو اللہ کے راستے میں وقت بھی لگاتا ہے۔ میں اور کیا کرتا ہوں؟ دین کے معاملے میں ہم اپنے سے اوپر والے کو دیکھیں تاکہ شوق اور ترغیب ہو کہ میں نے اور بھی محنت کرنی ہے۔ اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھیں تاکہ شکر کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

دلِ بے سکون

ایسے ایسے حالات لوگ فون کر کے بتاتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ دنیا میں کیسی کیسی پریشانیاں ہیں اور کتنے لوگ پریشان ہیں، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اگر ہم تھوڑا سا اپنے ہی اِردگرد دیکھ لیں تو یقیناً ہمیں ایسے بہت سے لوگ مل جائیں گے جو ہم پر رشک کرتے ہوں گے کہ دیکھو! اس کے پاس کتنا کچھ ہے۔ تو دین کے معاملے میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھیں، اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھیں۔ اگر ایسا معاملہ ہوگا تو ہماری زندگی میں آسانیاں آجائیں گی اور دل پُرسکون ہو جائے گا۔ اگر ہم دنیا کے معاملے میں اوپر والے کو دیکھتے رہیں گے تو ہر ایک اوپر والے پر کوئی ہے، اور اس کے اوپر پھر کوئی اور ہے۔ یہ سلسلہ اسی طرح آگے چلتا چلا جاتا ہے، اور پھر آخر میں فرعون بھی ہے جس نے کہا تھا کہ میں خدا ہوں۔ قارون بھی ہے جو کہ زکوٰۃ کا منکر ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے باغی ہو گیا تھا۔ اس لیے اگر دنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھیں تو آسانی ہو جائے گی اور لوگوں کے مالوں پر نظر بھی نہیں جائے گی۔

استغناء عن الناس

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں سے مستغنی رہو خواہ ایک مسواک کی لکڑی سے کیوں نہ ہو۔ (معجم طبرانی: 154/3)

مطلب یہ کہ بندے سے اُمید ہی نہ رکھے کہ یہ مجھے کچھ دے گا۔ میں اس کے پاس جاؤں گا، یہ مجھے کچھ کھلا پلا دے گا۔ یہاں سے میرا کچھ کام ہو جائے گا۔ مخلوق سے اُمید ہی نہ رکھی جائے۔ مخلوق تو خود محتاج ہے۔ محتاج سے اُمید کیا رکھنی؟ انسان اللہ ہی سے اُمید رکھے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی مختصر سی نصیحت فرما دیجیے تا کہ میں عمل کروں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتیں ارشاد فرمائیں:

1. جب نماز پڑھو تو ایسی نماز پڑھو کہ گویا آخری نماز پڑھ رہے ہو۔

اس کے بعد موت کا وقت قریب ہے، پتا نہیں دوبارہ وقت ملے یا نہ ملے۔ اس کیفیت سے اگر ہم نماز پڑھنا شروع کریں تو ہماری نماز کے اندر توجہ آ جائے گی، خشوع وخضوع پیدا ہو جائے گا۔

2. زبان سے ایسی بات مت کہو کہ کل تمہیں اس بات پر معذرت کرنی پڑے۔

کسی کی غیبت کر دی، کسی کو برا بھلا کہہ دیا، کسی کا دل توڑ دیا۔ ایسی باتیں ہیں کہ بعد میں اس پر معافیاں مانگنی پڑتی ہیں۔ پہلے ہی خیال کر لو، اپنی عزّت کو بچاؤ۔

3. لوگوں کے پاس جو کچھ بھی ہے سب سے بے پروا ہو جاؤ۔

اس کی گاڑی ایسی، اس کے گھر کا فرنیچر ایسا، اس کے پردے ایسے، اس کی اولاد ایسی۔ فرمایا کہ لوگوں کی ہر چیز سے بے پروا ہو جاؤ۔ (مشکاۃ المصابیح: رقم 5226)

یہ تین باتیں آپ ﷺ نے اس صحابی کے جواب میں ارشاد فرمائیں جس نے کہا تھا کہ مختصر نصیحت ارشاد فرما دیجیے۔ اور غور تو کیجیے کہ قلبی سکون ہی سکون ہے اگر ہم اپنی زندگیوں میں یہ تین صفات پیدا کر لیں:

1 خشوع وخضوع والی نماز 2 بدگوئی سے پرہیز

3 اور لوگوں کی چیزوں سے بے پرواہی۔ سبحان اللہ! کیا حکیمانہ نصیحتیں ہیں۔

دنیا کی حرص

انسان کا پیٹ دنیا کے مال سے نہیں بھر سکتا۔ پھر کیا چیز بھرے گی؟ قبر کی مٹی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر ابنِ آدم کے پاس مال سے بھری دو وادیاں بھی ہوں تب بھی وہ چاہے گا کہ ایسی تیسری وادی بھی مل جائے۔ ابنِ آدم کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اور جو اللہ سے معافی مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی معافی کو قبول فرماتے ہیں۔ (صحیح مسلم: رقم 1048)

اس انسان کا بڑا عجیب حال ہے کہ بہت بڑی اور سونے و جواہرات اور ہیروں سے بھری ہوئی بھی دو وادیاں ہوں، تب بھی اس کی خواہش پوری نہیں ہوسکتی۔ البتہ جو لوگ اللہ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، یہ خیر ہے۔ دنیا کا مال باعثِ راحت ہے مقصد نہیں، مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔ اور ہم نے اصل مقصد کو چھوڑ کر راحت کو مقصد بنالیا ہے۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی لوگوں سے استغنا اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز اپنی جانب سے عطا فرماتے ہیں۔ (صحیح بخاری: رقم 1469)

ایک روایت میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے کفایت طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہوجاتے ہیں۔ (سنن نسائی صغریٰ: رقم 2561، کتاب الزکاۃ)

لوگوں کے سامان کو، ان کی چیزوں کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے پاس فلاں چیز ہے اور میرے پاس نہیں ہے۔ ہم اس سے بے پروا ہو جائیں، اللہ ہمارے دل کو غنی کر دیں گے۔

زندگی کی حرص

ایک حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابنِ آدم بوڑھا ہو جاتا ہے، مگر دو چیزیں اس میں جوان رہتی ہیں: ایک مال کی محبت، اور ایک لمبی عمر کی خواہش۔ (صحیح بخاری: رقم 5058)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوجوانوں کے لیے خاص طور پر یہ بات بتائی ہے۔ اور آج کل کے تو بوڑھوں کے لیے بھی ہے۔ کئی لوگ ایسے آتے ہیں جو اپنی ساٹھ سالہ، ستر سالہ والدہ یا دادی کے لیے دعا کی درخواست کرتے ہیں کہ حضرت! دعا کریں، وہ ساری ساری رات فلمیں دیکھتی ہیں۔ ہم حیران ہو جاتے ہیں کہ اس عمر میں ان کو ہوا کیا ہے۔

کچھ دن پہلے ایک صاحب نے بتایا کہ ان کی والدہ کہہ رہی ہیں کہ مجھے نیٹ لگوا کر دو۔ ان کی والدہ کی عمر 75 سال کے قریب ہے۔ موت کا وقت قریب آنے کے باوجود یہ عالم ہے۔ ویسے تو جوان کا بھی نہیں پتا، بچے کا بھی نہیں پتا، لیکن ستر کے بعد بھی یہی خیال!!! سمجھ سے بالاتر ہے۔ نماز سے بے پرواہی ہوتی جارہی ہے۔ یہ سب اسکرین کے تماشے اور میڈیا کی حرکتیں ہیں۔

انگریز نے برِّصغیر میں دو کام کیے ہیں: ایک کام تو اس نے یہ کیا کہ بے پناہ علماء کو شہید کیا جن کی لمبی داستانیں ہیں۔ ساتھ میں مدارس کو بند کیا۔ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں، ان کے ساتھ اس نے وہ کام کیا جو برے سے برا بندہ بھی نہیں کر سکتا۔ دوسرا

کام اس نے عوام الناس کے ساتھ کیا۔ وہ کیا؟ وہ یہ کہ ان کے اندر دنیا کی محبت پیدا کر دی۔ اپنے آپ کو بنانا سنوارنا، یہ کھانا وہ کھانا اس پر لگا دیا۔ آخرت سے غافل کر دیا۔ ایسے ایسے مسائل پیش آ رہے ہیں کہ بیان کرنے مشکل ہیں۔ آج ایک صاحب سے بات ہوئی، اس کی پوری بات میں بیان بھی نہیں کرسکتا۔ ان صاحب نے کہا کہ ہم لاہور میں رہتے ہیں اور ہمارے ساتھ ایسا معاملہ ہوگیا۔ اخلاقیات سے گری ہوئی باتیں ہیں۔ میں آپ کو ایک حدیث سنا دیتا ہوں، اس سے آپ خود سمجھ جائیں۔

غیر مسلموں کی نقالی

نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے: تم ضرور بالضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلو گے حتیٰ کہ اگر اُن میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ راستے میں زنا کیا تھا، تو تم بھی کرو گے۔ (السلسلة الصحيحة للألباني: رقم3/334)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو پاک دامنی اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے پاک دامنی عطا کریں گے۔ (صحیح بخاری: رقم1469)

جو چاہے گا میں پاک دامن رہوں، اللہ تعالیٰ اسے پاک دامن بنائیں گے۔ پاک دامن رکھیں گے۔ بس ہمت کرنے کی ضرورت ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کو اپنا بنانے کی ضرورت ہے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث میں کئی باتیں ہیں جن میں سے دو یہ ہیں:

1. جو لوگوں سے استغنا اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے استغنا عطا فرماتے ہیں۔
2. جو پاک دامنی اختیار کرے گا، اللہ اسے پاک دامن بنائیں گے۔

جبکہ سننِ نسائی صغیر میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے کفایت طلب کرے گا، اللہ اسے کافی ہو جائیں گے۔

محبت کا نبوی نسخہ

ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہم سے محبت کریں۔ آج جو محافل میں اپنائیت کے اظہار ہوتے ہیں، سب جھوٹ اور دِکھلاوے ہیں۔ کس میں کتنی سچی، اپنائیت اور خلوص ہے، اگر ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہم سے محبت کریں تو اس کا نبوی نسخہ بھی سمجھ لیجیے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے پاس جتنی بھی چیزیں ہیں، اس سے بے رغبتی اختیار کرو، لوگ تم سے محبت کریں گے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم 4102)

لوگوں کے پاس جو کچھ بھی ہے دنیا کے اعتبار سے مثلاً مال و دولت ہے، اقتدار ہے، دنیاوی تعلقات ہیں وغیرہ۔ ان سے کبھی ان کے ہاتھ کی چیز کا سوال مت کرو، لوگ تم سے سچی محبت کرنے لگیں گے۔

سب کچھ اس اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ پھر دنیا والوں کے سامان پر کیوں نظر رکھنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ (الطلاق:2,3)

ترجمہ: ''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اُس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا، اور اُسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اُسے گمان بھی نہیں ہوگا''۔

جو مکمل اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے گا، تقویٰ والی زندگی گزارے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے رزق کے دروازے کھول دیں گے۔ اس کے بالمقابل جو مکمل دنیا کے پیچھے لگ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کے حوالے کر دیتے ہیں کہ تو جان اور تیرا کام جانے۔ محنت

کر، جتنی مشقت اُٹھائے گا ہم تجھے دیتے رہیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم اللہ ہی کی طرف متوجہ رہیں، اللہ تعالیٰ کا تعلق بھی ملے گا اور دنیا بھی آسانی سے مل جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت

فضائل صدقات میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گزشتہ آسمانی کتابوں کی ایک بات نقل کی ہے حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے کہ اللہ ربّ العزّت کا ارشاد ہے: جب بندہ مجھ پر بھروسہ کر لیتا ہے تو آسمان اور زمین سب مل کر بھی اس کے ساتھ دھوکہ کریں، میں ان سب کے باوجود اس کے لیے راستہ نکال لوں گا۔ ہم اللہ کے ہو جائیں، اللہ ہمارے ہو جائیں گے۔ کیسی عجیب بات فرمائی کہ جب بندہ مجھ پر بھروسہ کر لیتا ہے، کامل بھروسہ کر لیتا ہے تو آسمان و زمین سب اس کے مخالف بھی ہو جائیں اور اس کے ساتھ دھوکہ کریں، میں اس کے لیے راستہ نکال لوں گا اور اس بندے کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ اس بندے نے مجھ پر بھروسہ کیا ہے، میں اس کو مشکل سے نکالوں گا۔ کتنی پیاری بات ہے۔ سبحان اللہ!

ایک دن جدائی ہے

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے محمد! جتنا چاہیں زندہ رہیں، ایک دن مرنا ہے۔ جس سے چاہیں محبت کریں، ایک دن اسے چھوڑ جانا ہے۔ جیسا چاہے عمل کریں، اس کا بدلہ پانا ہے۔ پھر فرمایا: اے محمد! مؤمن کی شرافت رات کی نماز ہے، اور اس کی عزّت لوگوں سے استغنا ہے۔ (مستدرکِ حاکم: رقم 8002)

یعنی دنیا میں انسان جتنا بھی رہے، ایک دن تو موت آئے گی۔ بہرحال جانا تو ہر صورت ہے۔ پھر اچھے عمل کا اچھا بدلہ ہے، برے عمل کا برا بدلہ ہے۔ اور دنیا میں آدمی جس سے مرضی محبت کرے۔ ایک تو حرام محبتیں ہیں جن پر جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ فیس بک، واٹس اَپ پر نامحرم سے محبتیں ہیں۔ یہ سب تیزی سے جہنم میں جانے کے فیصلے کر دیتی ہیں۔ حرام محبتیں چھوڑ ہی دیں، یہ انسان کے کسی کام نہیں آئیں گی۔ حلال محبتوں کا یہ عالَم ہے کہ یہ بھی ہم کریں گے کسی سے، تو ایک نہ ایک دن جدائی ہے۔ ماں کی بیٹے سے محبت، بیوی کی خاوند سے محبت۔ یہ وہ محبتیں ہیں جس پر انعام ملا کرتا ہے، اللہ کی رضا ملا کرتی ہے۔ لیکن اس میں بھی کبھی نہ کبھی جدائی ضرور ہے۔

فناء فی اللہ

دنیا کی محبت کا انعام جدائی ہے۔ جس سے چاہیں محبت کریں۔ حلال محبتوں میں بھی جدائی ہے۔ حرام میں تو ہے ہی، حلال میں بھی جدائی ہے۔ صرف ایک محبوب ایسا ہے اللہ ربّ العزّت، اگر انسان اللہ سے محبت کر لے، انسان بلندیوں پر چلا جاتا ہے۔ آسمان کی رِفعتوں کو چھو لے، زمین کی پستیوں میں چلا جائے، سمندر کی گہرائیوں میں چلا جائے، کہیں چلا جائے، اللہ ربّ العزّت اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اللہ ربّ العزّت کا ارشاد ہے:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحدید:4)

ترجمہ: ’’اور تم جہاں کہیں ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے‘‘۔

یہ ایک اللہ کی محبت ہے جب مل جاتی ہے تو جدا نہیں ہوتی۔ انسان دنیا میں جس سے چاہے محبت کرے، ایک دن جدا کر دیا جائے گا۔ ہاں! اگر مخلوق کو چھوڑ کر خالق سے محبت کرے گا پھر ایک نہ ایک دن ملا دیا جائے گا۔

مؤمن کے لیے باعثِ شرف وعزّت

حدیثِ جبرئیل علیہ السلام جو ابھی بیان ہوئی، اس کے آخر میں کیا بات ارشاد فرمائی؟

فرمایا: اے محمد! مؤمن کی شرافت رات کی نماز ہے، اور اس کی عزّت لوگوں سے استغنا ہے۔ (مستدرکِ حاکم: رقم8002)

جان لیں کہ مؤمن کی شرافت قیام اللیل اور تہجد میں ہے، اور اس کی عزّت لوگوں سے مستغنی رہنے میں ہے۔ اللہ ربّ العزّت اس عمل سے خیر کا معاملہ فرمائیں گے۔ اللہ پاک بڑے رحیم ہیں، بڑے کریم ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ عزّت والا راستہ اختیار کریں۔ اللہ ربّ العزّت کو منانے کی فکر کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور خیر کا معاملہ فرما دیں گے۔ جہنم کی آگ سے آزادی عطا فرما دیں گے۔ دونوں جہانوں کی عزّتیں عطا فرما دیں گے۔ اللہ پاک بڑے کریم ہیں، بہت ہی مہربان ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم کی آگ سے محفوظ فرمائے اور توکّل کی توفیق عطا فرمائے۔ قناعت کی دولت عطا فرمائے اور دین کے راستے میں خوب محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں رات کو تہجد کی توفیق عطا فرمائے۔ مؤمن کی شرافت تہجد کی نماز ہے۔ اللہ ربّ العزّت ہمیں اس کی قدر دانی نصیب فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.



تجارت کے اُصول

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَا دِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (الجمعة:10)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

انسانی ضرورتیں

انسان جب زندگی گزارتا ہے تو اپنے معاش کے لیے تجارت کرتا ہے۔ بعض دفعہ اس کو کوئی چیز ہدیہ دینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بعض دفعہ ہدیہ لینے کا موقع مل جاتا ہے۔

اسی طرح زندگی میں بعض مرتبہ اُدھار لینا دینا جیسی یہ چیزیں بھی اسے پیش آتی رہتی ہیں۔ تو ہدیہ دینا نبی علیہ السلام کی سنت ہے اور یہ دلوں کی گھٹن کو ختم کر دیتی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عہد وفا کرنا

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے ایک صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے جابر! اگر بحرین سے (ہماری زندگی میں) مال آ گیا تو میں تمہیں اتنا اتنا اور اتنا مال دوں گا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کو ملا کر دس انگلیوں سے ایک مرتبہ، پھر اکیلے ہاتھ کی پانچ انگلیوں سے اشارہ کر کے بتایا) اللہ کی شان! نبی علیہ السلام کی زندگی میں تو نہ آیا۔ جنابِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں وہاں سے مال آیا تو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ اگر نبی علیہ السلام نے کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو تو وہ آ کر مجھ سے لے لے، اور اگر کوئی قرض ہو تو آ کر مجھ سے لے لے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گیا اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو جا کر بتایا کہ نبی علیہ السلام نے مجھ سے اتنا وعدہ کیا تھا تو انہوں نے مجھے تین مرتبہ ہاتھ پھیلا کر دیا۔ میں نے بعد میں گنا تو وہ پندرہ سو تھے۔ (بخاری: رقم 2537)

کسی کے قول کو پورا کرنا بھی سنت ہے۔ اور یہاں وعدہ وفا کرنے میں کتنا زبردست اہتمام ہے۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ اپنا وعدہ کیا ہوا پورا نہیں کر پاتے، اگر والد صاحب نے کسی سے کچھ وعدہ کر دیا ہو تو اسے کیا پورا کریں گے؟ غور کرنے کی بات ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کو اُونٹ کا ہدیہ

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک شریر اُونٹ پر سوار تھے جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا تھا۔ لوگ چلتے تو وہ اُونٹ

آگے نکل جاتا اور قافلے کی ترتیب کو باقی نہ رکھتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسے جھڑکتے، پیچھے کرتے۔ ایسا کئی دفعہ ہوتا رہا۔ آخر نبی علیہ السلام نے ایک دفعہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عمر! اسے مجھے بیچ دو، میں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے نبی! یہ آپ لیے گفٹ ہے، یہ آپ کا ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، میں نے اس کی ادائیگی کرنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ چناں چہ خریدنے کے بعد ابنِ عمر رضی اللہ عنہما جو اس اُونٹ پر سوار تھے، ان سے فرمایا کہ اے عبداللہ! یہ تمہارے لیے (ہبہ) ہے، جیسے مرضی استعمال کرو۔ (بخاری: رقم 2610)

ہبہ کرنا، ہدیہ کرنا نبی علیہ السلام کی سنت ہے۔ فراخدلی کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ انسان دل کو بڑا رکھے۔ اور جب ہبہ کر دیا تو واپسی کا طالب نہ بنے۔ ہدیہ، ہبہ کرنے کے بعد واپس لینے کے لیے سخت وعید ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سنیے!

ہدیہ کر کے واپس لینے پر وعید

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہدیہ دے کر، ہبہ کر کے واپس لینا ایسا ہے جیسے کتے کا قے کر کے چاٹ لینا۔ (صحیح بخاری: رقم 6574)

کتا جس چیز پر منہ مار لے وہ ناپاک ہے۔ ایسے ہی کتے کا بچا ہوا بھی ناپاک ہے۔ کسی برتن میں دودھ ہو یا اور کوئی چیز ہو، ہڈی پڑی ہو، کھانا ہو اور کتا منہ مار لے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اور کتے کا کھا کر اس کے معدے میں چلے جانا اور پھر الٹی ہو کر واپس آ جانا اور اس کا اس اُلٹی کو چاٹنا یہ کتنا ناپاک وغلیظ کام ہے۔ کوئی اچھا آدمی اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ بلکہ دیکھ کر اسے بھی اُلٹی آنے لگے گی۔ کراہت ہونے لگے گی۔ اس لیے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی کسی کو ہدیہ دے اور بعد میں ہدیہ کی چیز واپس مانگے تو یہ

انجام کے اعتبار سے ایسا ہے جیسے کتے کا قے کر کے اس کو چاٹ لینا۔

ہمارے یہاں کیا ہوتا ہے؟ جب ہدیہ دیتے ہیں تو چوں کہ نیت ٹھیک نہیں ہوتی، اللہ کے لیے نہیں دے رہے ہوتے بلکہ کوئی نا کوئی مقصد یا غرض ہوتی ہے۔ اور جب وہ مقصد خراب ہونے لگے تو واپسی کے لیے کوشش ہوتی ہے۔ اس کی ایک عام سی مثال ہمارے یہاں کی شادیاں ہیں۔ منگنی ہوگئی۔ اب منگنی پہ فلاں چیز دے دی۔ عید آئی تو یہ دے دیا۔ لڑکی والوں نے لڑکے والوں کو، لڑکے والوں نے لڑکی والوں کو۔ آپس میں ایک دوسرے سے اچھا خاصا لین دین ہوگیا۔ اچھا جی! پھر شادی ہوگئی اور شادی کے موقعے پر بھی لین دین ہوگیا۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے تو سب کچھ ٹھیک ہے، کوئی مسئلہ نہیں۔ اگر خدانخواستہ طلاق، خلع وغیرہ کی نوبت آجاتی ہے تو پھر کیا کرتے ہیں؟ اب لوگ ایک ایک چیز واپس مانگتے ہیں۔ کہتے ہیں جی! یہ اسی نیت سے دیا تھا، وہ یوں دیا تھا، اور وہ یوں دیا تھا۔ اب معاملہ ختم ہو رہا ہے۔ اول تو معاملہ ختم ہونا نہیں چاہیے۔ تحمل مزاجی، برداشت، ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہ نبی علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقے ہیں۔ لیکن کہیں خدانخواستہ طلاق کی، علیحدگی کی نوبت آ بھی رہی ہے تو یہ معاملہ بھی احسن طریقے سے ہو۔ قرآن مجید میں بھی احسن طریقے سے رخصت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

پہلی بیوی کا خیال رکھنا

حضرت مرشدِ عالم مولانا غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک دفعہ ایسا موقع آ گیا کہ کسی دینی مجبوری کی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دینی پڑی۔ پھر دوسری شادی ہوئی۔ پہلی بیوی کو بہت اُحسن طریقے سے رخصت کیا اور اس سے یوں فرمایا: جتنی تمہاری ضرورت کی

چیزیں ہیں سب تمہاری ہیں، لے جاؤ۔ بعد میں اپنے بچوں سے کہا کہ جاؤ! وہ تمہاری ماں ہے، اسے یہ چیزیں دے آؤ۔ پیسے بھیجتے، ضرورت کا سامان بھیجتے تھے۔ زندگی بھر بھیجتے رہے جبکہ وہ بیوی بھی نہیں تھیں۔ لیکن خیال یہ تھا کہ بھئی! یہ کسی وقت میں میرے گھر میں رہی تھی۔ یہ ہوتا ہے اللہ والوں کا حسنِ اخلاق۔

عاریتاً کسی سے کچھ مانگنا

اسی طرح عاریت پر سامان لینے کی ضرورت پڑ گئی۔ کسی سے کوئی چیز استعمال کی غرض سے اُدھار میں مانگ لی، تو یہ جائز ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں خوف اور دہشت طاری تھی۔ (بعض دفعہ دشمنوں کا خوف ہوتا ہے تو پریشانی ہوجاتی ہے۔ اس وقت دشمن کا خوف طاری تھا) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (جرأت اور استقلال کے پیکر تھے۔ صرف ایک اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے) ایک صحابی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اُن سے ان کا گھوڑا مانگا۔ اُس گھوڑے کا نام مندوب تھا۔ نبی علیہ السلام اس گھوڑے پر سوار ہوئے اور اکیلے تمام مدینہ کا چکر لگا کر آئے اور اطمینان دلایا کہ کوئی دشمن نہیں ہے۔ اور (گھوڑے کی خوبی بتلاتے ہوئے فرمایا کہ) ہم نے اس گھوڑے کو سمندر کی طرح تیز پایا ہے۔ (بخاری: رقم 2484)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندوب نامی گھوڑے پر چکر لگایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی سے ضرورت کے وقت کوئی چیز مانگ کر استعمال کر لینا جائز ہے۔ لیکن خیال رہے کہ ایسی بات ضرورت کے درجہ میں ہی ہو، عادتاً نہ ہو کہ اپنے پاس تو گھوڑا گھر پہ کھڑا ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے سے لے جا رہے ہیں۔ موجودہ زمانے میں جیسے اپنے پاس گاڑی موجود ہے، اس کو چھوڑ کر کسی اور سے گاڑی لی جا رہی ہے کہ مجھے 2 گھنٹے کے لیے، 4 گھنٹے کے لیے گاڑی دے دیں۔ پھر ضرورت سے اگر کسی سے لے لی تو چاہیے کہ اس کو اس طرح

استعمال کریں جیسے اپنی گاڑی کو استعمال کرتے ہیں۔ اپنی گاڑی چلاتے ہوئے کھڈا آتا ہے تو گاڑی روکتے ہیں، اسی طرح جب دوسرے کی گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں اور کھڈا سڑک پر آجائے تو اسی طرح سے گاڑی روکیں۔ اگر یہ خیال آ گیا کہ جی کون سی اپنی ہے، کوئی پروا نہیں تو اب گناہ ہو جائے گا۔

ایسے ہی اگر کوئی کسی سے ضرورت کی کوئی چیز کبھی لے تو جیسے ہی ضرورت پوری ہو جائے فوراً واپس کر دے، اس میں دیر نہ کرے۔ مثلاً گھر میں استری خراب ہو گئی، پڑوس سے لے آئے۔ اب اپنے کپڑے تو استری کر لیے اور واپس دینا یاد نہیں رہا اور کئی دن گزر گئے۔ یہ چیز بھی مناسب نہیں ہے۔

صفوان بن اُمیہ کا قبولِ اسلام

نبی علیہ السلام نے اور بھی مزید موقعوں پر کچھ لوگوں سے چیزیں استعمال کے لیے لی ہیں۔ صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر اُن سے جنگ کا سامان عاریتاً لیا۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اس وقت تک اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے۔ جب اُن سے سامان مانگا گیا تو انہوں نے کہا کہ کیا یہ مفت میں چلے جائیں گے؟ (یعنی ایک فاتحِ مکہ ہے، وہ سامانِ حرب مانگ رہا ہے، تو دیا ہوا سامان واپس بھی ملے گا یا نہیں؟ یا ایسے ہی چلا جائے گا) نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، بلکہ ضمان کے ساتھ عاریتاً لے رہا ہوں (پورا واپس کروں گا، اور اگر کوئی نقصان ہو گیا تو تمہیں اس کی تلافی دی جائے گی)۔ حضرت صفوان نے کہا کہ پھر کوئی حرج کی بات نہیں۔ اور سامانِ حرب دے دیا۔ (السیرۃ لابن ھشام: غزوۃ حنین في سنۃ ثمان بعد الفتح)

اگر کسی سے کوئی چیز ہم استعمال کے لیے لیں تو احتیاط کے ساتھ استعمال کریں۔ اسے

یہ محسوس نہ ہو کہ میری چیز اب مفت میں چلی گئی۔ چناں چہ جنگ ہوئی، سامان استعمال ہوا اور آخر میں کیا ہوا؟ جب ان کا سامان جمع کیا گیا تو چند زِرہیں کم ہوگئیں۔ نبی علیہ السلام نے حضرت صفوان کو آفر دی کہ صفوان! جو آپ کے مال کی قیمت بنتی ہے، وہ لے لو۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حُسنِ معاملہ کو دیکھ کر کہا کہ آج میرے دل میں اسلام کی وہ عظمت ہے جو آج سے قبل نہیں تھی۔ اور پھر یہ مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! مجھے واپس نہیں لینا جو گم ہو گیا وہ گم ہو گیا۔ (حوالہ بالا)

یہاں سے یہ بات ملتی ہے کہ ضرورت کا سامان مانگ کر استعمال کرنا درست ہے۔ اگر بے پروائی سے ضائع ہوجائے، یا خراب ہوجائے تو اس کا بدل دینا بھی واجب ہوگا۔ اور اگر بے پروائی سے ضائع نہ ہو ویسے ہی ضائع ہوگیا تو بدل دینا واجب تو نہیں ہے، لیکن اچھی بات ہے کہ انسان متبادل دے دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ پیالہ کسی سے عاریتاً لیا، اور وہ پیالہ گم ہو گیا تو حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس پیالے کا بدل عطا کیا۔ (ترمذی: رقم 1360)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی قیمت ادا کی کہ جس سے لیا ہے اس کا دل خراب نہ ہو۔

ایک جوڑے سے کئی بچیوں کی شادی

اسی طرح بعض دفعہ شادی کے موقع پر ہم نے دیکھا کہ عورتیں اپنے کپڑے ایک دوسرے سے تبدیل کر لیتی ہیں، یا زیورات خاص طور سے عاریتاً لیتی ہیں کہ آج میں اس ڈیزائن کا پہن لیتی ہوں اور آپ یہ والا ڈیزائن پہن لو۔ عموماً ایسا ہوتا ہے۔ اس کو اگر حدود کے اندر رکھا جائے تب تو بات ٹھیک ہے۔ امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانہ میں میرے پاس ایک جوڑا تھا۔ مدینہ طیبہ میں کسی

بھی بچی کی شادی ہوتی تو وہ مجھ سے اُس جوڑے کو لے جاتی اور شادی کے بعد واپس دے جاتی۔(بخاری:358/1)

کتنی دلہنوں کی شادی اس ایک جوڑے سے ہوئی۔5 یا10 درہم کا وہ کُرتا تھا بلکہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ مدینہ میں کوئی ایسا گھر نہیں تھا جہاں شادی کے موقع پر کپڑا یا کُرتا استعمال نہ ہوا ہو۔اتنی کثرت سے اس کا استعمال ہوا۔اور اس میں شرافت کے خلاف بھی کوئی بات نہیں۔جیسے کہ بعض لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ جی! مانگی ہوئی چیز لینا بُری بات ہے۔اس کے اندر کوئی بُری بات نہیں ہے۔امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ اپنی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ہار مانگ کر پہنا تھا۔(صحیح بخاری: رقم3562)

سادہ زمانہ تھا، سادگی ہوا کرتی تھی۔آج کا فیشن تو یہ ہے کہ ایک دفعہ پہنی ہوئی کوئی چیز دوبارہ نہ پہنی جائے۔بھئی! یہ خواہش جنت میں پوری ہوجائے گی، دنیا میں پوری نہیں ہوسکتی۔دنیا میں ایک دوسرے سے کپڑے مانگ کر پہننے کی شریعت نے اجازت دے رکھی ہے۔یہ سادگی کی علامت ہے۔

مضاربت

تجارت کی ایک قسم مضاربت ہے۔ایک بندے کا مال ہوتا ہے اور دوسرے بندے کی محنت اور تجربہ ہوتا ہے۔اس میں ایک بات تو یہ ہے کہ مضاربت سنت ہے۔دوسرا یہ کہ مضاربت اگر شرعی اُصولوں کے مطابق خدا خوفی کے تحت کی جائے تو اس میں برکت بھی بہت ہے۔نبی علیہ السلام تجارت کے معاملات کس طرح کرتے تھے؟

حضرت ابنِ سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین شریک تھے، نہ آپ کسی سے اختلاف کرتے، اور نہ ہی کسی سے جھگڑا کرتے تھے۔(معجم اوسط للطبرانی: رقم890)

مضاربت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر کسی کے پاس مال ہے۔ لیکن کام کرنے کے لیے وقت نہیں، تجربہ نہیں، ہمت نہیں۔ ایک دوسرا بندہ ہے جس کے پاس مال نہیں، لیکن کام کرسکتا ہے۔ اگر یہ دونوں (پیسہ دینے والا اور کام کرنے والا) خدا خوفی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سامنے رکھ کر کام کریں گے تو اس میں برکت ہی برکت ہے۔

تین برکت والی چیزیں

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: تین چیزوں میں برکت ہے:

1. وقت اور قیمت کے تعین کے ساتھ اُدھاری میں معاملہ کرنا۔
2. مقارضہ / مضاربت کرنا۔
3. گھر میں گیہوں اور جَو ملا کر کھانا، ملا کر بیچنے کی اجازت نہیں۔

(سنن ابنِ ماجہ: رقم 2281)

پہلی بات اِرشاد فرمائی کہ اُدھار قیمت کے ساتھ معاملہ کرلے۔ یعنی کسی کو ضرورت ہے اُدھار کی، تو وقت کے تعین اور قیمت کے تعین کے ساتھ معاملہ ہوسکتا ہے۔ جب کسی کی مجبوری میں کام آئیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کام آنے والے کو برکت دیں گے۔

دوسری بات یہ اِرشاد فرمائی کہ شرکت اور مضاربت میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔ اگر آج ایمانداری کے ساتھ، دیانت داری کے ساتھ یہ کام کیا جائے تو کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کے پاس گھروں میں، بینکوں میں پیسہ پڑا ہے۔ سالہا سال سے بے کار پڑا ہوا ہے۔ اگر اُن کو کوئی ایمان دار آدمی مل جاتا ہے، بھروسے والا آدمی مل جاتا ہے، تو وہ ضرور چاہیں گے کہ یہاں پیسے لگانے ہیں۔ بہت بڑا ایسا سرمایہ جو کسی کے کام نہیں آرہا وہ استعمال میں آجائے گا اور وہ دونوں کے لیے فائدہ مند ہوگا۔

تیسری بات جو اِرشاد فرمائی کہ گیہوں میں جَو ملا کر کھانا اس میں بھی برکت ہے۔ خیال رہے کہ جو فروخت کرنے والا ہے اس کو اجازت نہیں ہے کہ وہ ملائے، ملاوٹ کرے۔ ہاں! گھر میں جب انسان گندم کی روٹی پکا رہا ہے، چکی پہ پیسوانے کے لیے بھیجتا ہے تو اسے چاہیے کہ گندم کے ساتھ تھوڑی جَو بھی شامل کرلے۔ اس طرح سے نبی علیہ السلام کی بتائی برکت اسے حاصل ہوجائے گی۔

کاروبار میں شراکت داری

اگلی بات کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کاروبار میں شراکت داری کس طرح کرتے تھے؟

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ جب بازار جاتے اور غلہ وغیرہ خریدتے تو حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اُن سے ملتے اور کہتے کہ دیکھو! تمہیں نبی علیہ السلام نے برکت کی دعا دی ہے، ہمیں اپنی تجارت میں شامل کرلو۔ تو وہ اُن دونوں حضرات کو اپنی تجارت میں شامل کرلیا کرتے تھے۔ (بخاری: رقم 2368)

اس طرح یہ تینوں حضرات شرکت پر کاروبار کرتے اور انہیں خوب برکت حاصل ہوتی تھی۔ شرکت کے کاروبار میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے، لیکن اگر حقوق کی رعایت نہ ہو، خیانت ہو تو پھر برکت نہیں ہوتی۔ اگر ہماری زندگی نبی علیہ السلام کے طریقے پر آجائے تو زندگی میں برکتیں ہی برکتیں ہیں، آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔

اب ایک اور معاملہ بیان کرتے ہیں۔ بعض دفعہ کوئی گری ہوئی چیز راستے سے مل جاتی ہے۔ اس بارے میں نبی علیہ السلام کی کیا Guidelines ہیں؟ کیا ہدایات ہیں؟

راہ پڑی چیز کا حکم

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام راستے سے گزر رہے تھے تو آپ

نے ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر صدقہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس کو کھالیتا۔ (بخاری:2299)

نبی علیہ السلام کے لیے صدقے کا مال کھانا منع تھا۔ نبی ﷺ ہدیہ قبول کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جو نیچے رکھی ہوئی کھجور ہے، یا گری ہوئی کھجور ہے میں اسے کھانا چاہوں تو کھا سکتا ہوں، لیکن ہوسکتا ہے یہ صدقے کی ہو اس لیے میں نہیں کھا رہا۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث شریف کی تشریح میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وجہ سے اس کھجور کو نہیں چھوڑا کہ راستے میں پڑی ہوئی چیز میں کیسے اُٹھاؤں؟ جیسے امیر لوگ ہوتے ہیں! کہیں جارہے ہیں، راستے میں کھانے کی کوئی چیز گری ہوئی نظر آ گئی، وہ اُسے اُٹھا کر کھانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہی بات اس حدیث شریف میں بتلائی گئی کہ نبی علیہ السلام اس وجہ سے نہیں چھوڑا، بلکہ چھوڑنے کی وجہ صدقہ کا اندیشہ تھی۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ معمولی چیز جس کی کوئی حیثیت نہ ہو اور آدمی اُسے تلاش کرنے نہ نکلا ہو، اگر ایسی چیز راستے میں پڑی ہوئی ملے تو اس کو اُٹھا کر کھا لینا درست ہے تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائے۔ اب اتنی سی چیز کا اعلان تو نہیں کیا جائے گا کہ جب تک مالک آئے وہ ضائع ہو چکی ہو۔

رزق کو ضائع ہونے سے بچایا جائے

طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو راستے سے ایک انار کا دانہ ملا۔ انہوں نے جیسے ہی دیکھا اُٹھا لیا اور یوں فرمایا: اللہ پاک رزق ضائع کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ یعنی اگر میں نہ اُٹھاتی تو یہاں کسی کی نظر نہ پڑتی، ضائع ہو جاتی اور رزق کا ضائع ہو جانا میرے اللہ کو پسند نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی چیزوں کے کھانے اور استعمال کرنے میں جو ہم لوگ طبعاً ایک عار سمجھتے ہیں، یہ عار صحیح نہیں۔ بلکہ

تواضع کی علامت یہ ہے کہ انسان اللہ کی نعمت کو ضائع نہ ہونے دے۔ یہ اُن چیزوں کا بیان ہورہا ہے جو بالکل عام ہوں، ان کی تلاش میں کوئی نہ نکلے، اور نہ ہی ان کا اعلان کیا جائے، اور جس کی ہے وہ پریشان نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی ایسی چیز ہے جس کی قیمت زیادہ ہے، کسی کی گم ہوگئی تو اب وہ تلاش کے لیے نکلے، لوگوں سے پوچھے۔ یاد رکھیے کہ گری ہوئی کھجور ملے تو اُس کا حکم اور ہے، اور گرا ہوا سونے کا سکہ ملے تو اس کا حکم اور ہے۔ دونوں چیزوں میں بہت فرق ہے۔

سو دینار کی تھیلی

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک تھیلی پڑی ہوئی پائی جس میں سو دینار تھے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا: اے اللہ کے نبی! میں کیا کروں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ایک سال تک اعلان کرو اور مالک کا انتظار کرو۔ اب انہوں نے ایک سال تک انتظار کیا اور مالک کو تلاش کیا، مگر مالک نہ ملا تو پھر آگئے۔ اے اللہ کے نبی! اب میں کیا کروں؟ فرمایا: ایک سال اور اعلان کرو اور تلاش کرو۔ پھر انہوں نے ایک سال اور اعلان کیا اور تلاش کیا مگر نہ ملا۔ تیسری مرتبہ سال کے بعد پھر آئے اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! اب میں کیا کروں؟ (یہ خود بھی غریب تھے) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا! ٹھیک ہے تم اسے استعمال کرلو، لیکن اس کی مقدار کو، کیفیت کو یاد رکھو! اگر کبھی زندگی میں مالک آگیا اور اس نے تقاضا کیا تو تمہیں دینا پڑے گا۔ (بخاری: رقم 2294)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت ہی پیاری عادت تھی۔ جب وہ کسی نئی چیز کو دیکھتے، یا کوئی نیا معاملہ اُن کے ساتھ پیش آتا تو پہلے نبی علیہ السلام کے پاس آکر اس کا حکم پوچھا کرتے تھے، اپنی طرف سے اندازے نہیں لگایا کرتے تھے۔ اس میں ہمارے لیے قیمتی سبق ہے۔ ہمیں بھی

چاہیے کہ جب کوئی نیا معاملہ، نئی حالت پیش آئے تو ہم علماء سے رجوع کریں کہ اس میں صحیح کیا ہے؟ اور غلط کیا ہے؟ اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز کی قیمت زیادہ ہو تو ایسی صورت میں اعلان کرنا، مالک کو تلاش کرنا واجب ہے، اور اپنے استعمال میں لانا درست نہیں ہے۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ راستے میں کچھ بھی پڑا ہوا ملا، سمجھتے ہیں کہ یہ غیب سے آیا ہے، میرا ہوگیا۔ یہ ٹھیک نہیں اور ایسا کرنا جہالت کی بات ہے۔ یہی چیز اپنے بچوں کو بھی سکھانی ہے۔ بچوں کی عقل پوری نہیں ہوتی، شریعت کا معلوم نہیں ہوتا تو بعض اوقات جہاں سے جو چیز پڑی ہوئی ملتی ہے اس کو استعمال میں لے آتے ہیں۔ والدین کو چاہیے کہ انہیں سمجھائیں، اور کبھی وہ ایسا کرلیں اور قیمتی چیز ہو تو والدین کو چاہیے کہ مالک کو قیمت ادا کریں۔

گروی رکھنے کا مسئلہ

اسی طرح کوئی چیز گروی رکھنا اگر شریعت اور سنت کے مطابق ہو تو جائز ہے، لیکن اگر آج کل ہمارے ماحول میں جس طرح مکان گروی دیے جا رہے ہیں علماء نے اس کو منع فرمایا ہے اور ناجائز قرار دیا ہے۔ اب اس کی تفصیلات ہیں، جسے یہ معاملہ درپیش ہو وہ جامعہ اشرفیہ جائے اور مفتی حضرات سے رجوع کرے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ایک یہودی سے غلہ خریدا۔ قیمت ادا کرنے کے لیے اس وقت کچھ نہیں تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زرہ گروی میں رکھوادی کہ میں بعد میں پیسے دے کر اپنی چیز واپس لے جاؤں گا۔ (بخاری: رقم 2916)

اس درجے تک تو بات ٹھیک ہے، لیکن جس کے پاس وہ چیز رکھوائی گئی، اس کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ جس کے پاس کوئی چیز گروی رکھی گئی ہے وہ اُس سے نفع نہ اُٹھائے۔

نان نفقہ مرد کی ذمہ داری ہے، عورت کی نہیں

اندازہ کیجیے کہ نبی کریم ﷺ کی جب وفات ہوئی تو کس حال میں ہوئی؟ امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رکھ کر 30 صاع کی جَو منگوائی گئی اور وہ جَو بھی نبی ﷺ نے اپنی بیویوں میں تقسیم کر دی۔ بیویوں کو دینے کے لیے کچھ نہیں تھا تو نبی ﷺ نے اپنی زرہ کو گروی رکھوا کر بیوی بچوں کے نان نفقے کا خیال رکھا۔ اب یہاں سے وہ خاوند حضرات متوجہ ہوں جن کے گھروں میں بیویاں ہیں، اُن کے پاس ضروری اخراجات کے لیے مال بھی ہے اور وہ کہتے ہیں تم اپنے باپ سے لے آؤ، اپنی ماں سے لے آؤ، خود کماؤ، خود خیال رکھو۔ نبی علیہ السلام نے تو ایسی کسی جگہ بھی ترغیب نہیں دی۔ بلکہ خاوند کو کہا کہ تمہاری ذمہ داری ہے، تم اس کی ضروریات کو پورا کرو۔ ہر آدمی اپنی استطاعت کے مطابق اپنی بیوی بچوں کے خیال رکھنے کا پابند ہے۔

کئی دن پہلے ایک خاتون کا فون آیا۔ بتایا کہ بارہ سال شادی کو ہو گئے ہیں اور میرے والد میرا خرچہ اُٹھاتے ہیں، جبکہ میرے خاوند کا کاروبار لاکھوں میں نہیں کروڑوں میں ہے۔ اب ایسے مرد قیامت کے دن کیا جواب دیں گے؟ مال کس کے لیے جمع کر رہے ہیں؟ نبی علیہ السلام کی وفات تو اس مبارک حال میں ہوئی ہے کہ بیویوں کو دینے کے لیے کچھ نہیں تھا تو اپنی زرہ کو آپ ﷺ نے رہن رکھوایا، گروی رکھوایا۔ 30 صاع جَو اس سے منگوائی، پھر وہ گھروں میں تقسیم کی کہ وقت گزار لو۔ اُمت کے خاوندوں کے لیے اس میں بہت بڑا سبق ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور تمام اُمور کو سیکھ کر، سمجھ کر عمل کی توفیق عطا فرمائے، اور اسے آگے صحیح رُخ پر امت میں منتقل کرنے کی توفیق بخشے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.



لوگوں کے ساتھ میل جول

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ؕ (الزخرف:32)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۝

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

آپس کے تعلقات

انسان جب زندگی میں وقت گزارتا ہے تو ایک دوسرے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ معاملات پیش آتے ہیں۔ زندگی کی اُونچ نیچ میں رشتہ دار، پڑوسی، دوست اَحباب سب

ہی سے تعلق ہوتا ہے۔ اگر ہم اپنے معاملات کو سنت کے مطابق بنائیں گے اور شریعت کی روشنی میں عمل کریں گے تو اللہ ربّ العزّت کی مدد ہمارے ساتھ شاملِ حال ہو جائے گی۔ جتنی بھی سنتیں ہیں، ہر سنت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت جڑی ہوئی ہے۔ ہم جتنا بھی سنتوں پر عمل کرتے جائیں گے، اتنی اللہ کی محبت ہمارے اندر بڑھے گی۔ اور ہم بھی اللہ کے محبوب ہو جائیں گے۔ آپس کے معاملات میں بعض دفعہ جو چیزیں پیش آتی ہیں ان میں چند کا ذکر آج ہوگا۔

سفارش کرنا

بسا اوقات انسان کو کسی اور کے لیے سفارش کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ بعض لوگ سفارش کرنے کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ جی! میں کیوں ان کی سفارش کروں؟ اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور بعض لوگ سفارش کرنے میں بہت آگے ہیں کہ وہ گناہ کی بھی سفارش کر دیتے ہیں۔ غرض اس میں لوگ اِفراط وتفریط کا شکار ہیں۔ سفارش کرنا ایک ایسا عمل ہے جس کے بارے میں قرآن کریم میں بھی ہدایت ہے، اور حدیثِ پاک میں بھی رہبری موجود ہے۔ ہمیں صحیح اور غلط کو سیکھنا چاہیے۔ زندگی میں ہم نے کسی کے لیے کتنی دفعہ سفارش کی ہوگی؟ یا ہم کسی کے پاس اپنی سفارش کے لیے گئے ہوں گے۔

یہ زندگی کا ایک اہم معاملہ ہے۔ ہمیں قرآن اور سنت کے مطابق معلوم ہونا چاہیے کہ کس سفارش پر عذاب ہوتا ہے اور کس سفارش پر ثواب۔ جو شخص کسی کی بھلائی کی سفارش کرے گا تو اس کو اس کا بدلہ ثواب میں سے ملے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ثواب عطا فرمائیں گے۔ اور اگر کوئی کسی گناہ کی سفارش کرے گا تو گناہ ملے گا۔ اگر ہم کسی کے جائز کام کے لیے سفارش کریں گے تو ہمیں اس پر ثواب ملے گا۔ اور اگر ہم نے گناہ کے

بارے میں سفارش کردی تو ہم گناہ میں شریک ہوجائیں گے۔

سفارش ایک ایسا عمل ہے جس میں عذاب بھی مل سکتا ہے، اور ثواب بھی مل سکتا ہے، اس لیے سفارش دیکھ کر کرنے کی ضرورت ہے۔

گناہ کے کاموں میں معاون نہ بنو

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے واضح ارشادفرمایا:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ص وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ (المائدۃ:2)

ترجمہ: ''اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو''۔

دیکھو! نیکی میں ایک دوسرے کی مدد کرنا، لیکن گناہ کے اُمور میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرنا۔ کوئی بھی گناہ ہو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دوسروں کی مدد نہ کرنا۔ نیکی کے کاموں میں، تقویٰ کے کاموں میں، خیر کے کاموں میں، کہیں مسجد بن رہی ہے، کہیں مدرسہ بن رہا ہو۔ اول تو ہم خود مدد کریں، یا دوسروں کو کہہ سکتے ہیں تو دوسروں کو کہہ دیں۔ یہ نیکی کے کام میں مدد ہوگئی۔ لیکن اگر ہم کسی کے بارے میں سفارش کریں تو ہمارا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔ اگر اب کوئی رشتہ دار یا جاننے والا ہمارے پاس آتا ہے کہ جی! میری نوکری نہیں ہے، فلاں جگہ آپ کے جاننے والے ہیں، آپ سفارش کر دیں۔ ایسی سفارش جس میں دنیا کی کوئی لالچ نہ ہو تو یہ عبادت ہے اور اس پر ثواب ملے گا۔ آپ کے کہنے سننے سے اگر کسی کی نوکری لگی، یا کسی کا کوئی کام ہوگیا، کوئی اُلجھن دور ہوگئی تو یہ خیر خواہی ثواب کا کام ہے، لیکن مقصد اللہ کی رضا ہو۔ اسی طرح سود کے معاملے میں، یا کسی گناہ کے معاملے میں، یا کوئی ایسی بات ہو جس میں رب کی نافرمانی ہو تو وہاں مدد کرنا اللہ ربّ العزّت کی ناراضگی کا سبب ہے۔

رحمتِ الٰہی سے محرومی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص نے اگر کسی مسلمان کے قتل میں ایک کلمے یا ایک جملے سے بھی مدد کی تو قیامت کے دن وہ اس طرح پیش ہوگا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا:

آئِسٌ مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ. (سنن ابن ماجه: رقم 2620)

ترجمہ: ''یہ شخص اللہ ربّ العزّت کی رحمت سے محروم ہے''۔

زندگی بہت احتیاط سے گزارنے کی ضرورت ہے۔ یہ جو وکیل حضرات ہوتے ہیں، اگر کسی کی ناجائز سفارش کردی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی بھلائی کے کام کیا کرتے تھے، اور بڑھ چڑھ کر کیا کرتے تھے، اور اُمت کو بھی یہ سکھایا کرتے تھے۔ سفارش کے بارے میں ایک اور بات بھی اُمت کو سکھائی۔

جائز سفارش پر نیکی

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کوئی سائل یا ضرورت مند آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوکر فرماتے: تم سفارش کرو ثواب پاؤ گے، اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہے حکم جاری فرماتے ہیں۔

(صحیح بخاری: رقم 1432)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مجھ سے کچھ مانگتا ہے (اور میں اس کے لیے بھلائی کا ارادہ کرلیتا ہوں، لیکن کچھ وقت) میں رک جاتا ہوں تاکہ تم اس کے لیے سفارش کرو اور تمہیں اس کا ثواب ملے۔ (معجم کبیر للطبرانی: رقم 809)

اگر آپ کے کہنے سے، کوشش سے کسی بھائی کا کام ہو جائے اور بھلا ہو جائے تو یہ بہت ثواب کا کام ہے۔ جتنا ہو سکے، آدمی دوسرے کے لیے بھلائی کرے۔

اچھا! یہاں ایک بات اور بھی ہے۔ ہم نے کسی کے لیے سفارش کر دی اور اس کا کام ہو گیا، اس پر تو ہمیں ثواب مل گیا۔ اور اگر کسی کی سفارش کی اور اس کا کام نہیں ہوا تو پھر کیا اجر ملے گا؟ جی ہاں! پھر بھی ہمیں اجر و ثواب ملے گا۔ ہمارا کام ہے بات کو آگے پہنچانا۔ وہ سفارش قبول ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں اِخلاص ہے تو ہمیں ثواب ملے گا۔ اس لیے کہ اس پر اِصرار تو کوئی نہیں ہے کہ تم نے قبول ہی کرنا ہے۔ ایسی بات نہیں ہے۔

اب جس طرح جائز کام کی سفارش پر اَجر ملتا ہے اگرچہ منظوری ہوئی ہو یا نہیں ہوئی ہو، اس سے بحث نہیں ہے۔ ایسے ہی اگر ہم نے گناہ میں سفارش کر دی تو ہم گناہ میں شریک ہو گئے، چاہے وہ ہماری سفارش قبول ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ سفارش کرنا اچھا کام ہے اگر نیکی کے بارے میں ہو، اور یہی سفارش برا کام ہے اگر گناہ کے بارے میں ہو۔ اس میں ہماری نیت پر معاملہ اور فیصلہ ہے، چاہے آگے قبول ہو یا نہ ہو۔

ناجائز سفارش پر گناہ

اگلی بات جو بات اہمیت کی ہے۔ ہم کسی نیک کام کی سفارش کر رہے ہیں، لیکن اس نیکی کے کام میں بھی گناہ ہو سکتا ہے۔ وہ کیسے؟ جس کی ہم سفارش کر رہے ہیں اس سے اس سفارش کرنے کے پیسے مانگے، کوئی ہدیہ یا تحفہ مانگا، یا اس سفارش کے بدلے میں اس کا اپنا کوئی کام نکلوانا، یا اپنا سلسلہ بنانا، پھر یہ سفارش کرنا ناجائز ہو جائے گا۔

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کے لیے سفارش کی، اس نے بدلے میں سفارش کرنے والا کو کوئی ہدیہ دے دیا، اور

دوسرے نے قبول کرلیا تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازے میں داخل ہوگیا۔ (سنن ابی داؤد: رقم 3541)

محض اللہ ربّ العزّت کی رضا کے لیے انسان کسی کی مدد کرے، کسی کا خیال رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے سے دنیا کا نفع چاہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیکی کے کام میں سفارش کرنا عبادت ہے۔ آج کی مجلس کی پہلی بات جائز سفارش کرنے سے متعلق تھی۔ دوسری بات آپس میں ساتھ رہتے ہوئے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ اچھا گمان رکھنے کی بھی بہت ضرورت ہے۔

حسنِ ظن رکھنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسنِ ظن رکھنا بہترین عبادت ہے۔ (سنن أبي داود: رقم 4993، باب في حسن الظنّ)

اللہ اکبر کبیرا! اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم لوگوں سے اچھے سے اچھا گمان رکھیں۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خبردار بدگمانی سے بچو، بدگمانی بری بات ہے۔ (صحیح بخاری: رقم 6066)

ایک حدیثِ قدسی میں آتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اپنے بندے سے اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔ (سنن الترمذی: رقم 3603، باب فی حسن الظنّ باللہ عزّ وجل)

یہاں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آدمی اپنے اللہ ربّ العزّت سے اچھا گمان رکھے۔ کسی وسوسہ کا شکار نہ ہو، اور نہ اللہ تعالیٰ سے کسی بات پر مایوس ہو۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اچھا گمان رکھیں، اور دن رات آپس میں ساتھ رہتے ہوئے دل

میں بدگمانی نہ آنے دیں۔ اچھے سے اچھا گمان رکھیں۔ اور اس گمان کو سیکھیں۔ جب ہم اس گمان کو سیکھ لیں گے تو آسانی ہو جائے گی۔ حسنِ ظن ایک بڑی نیکی ہے، جبکہ بدگمانی بڑا گناہ ہے۔ اس سے آپس کے تعلقات متاثر بھی ہوتے ہیں اور رشتہ داریاں ٹوٹتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی سمجھ نصیب فرمائے آمین۔

مشورہ کرنا

آج کی مجلس کی تیسری اہم بات مشورے کا عمل ہے۔ جب ہم آپس میں ساتھ رہتے ہیں تو کئی اُمور میں مشورے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہم نے آج تک کتنے لوگوں سے مشورے کیے ہوں گے۔ ہر ایک مسلمان کے لیے آدابِ مشورہ سیکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ قرآن کریم نے مشورہ کا حکم دیا ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں مؤمنین کے اَوصاف کا ذکر ہوا تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایک وصف یہ ذکر فرمایا:

وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ:38)

ترجمہ: ''اور اُن کے معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں''۔

سورہ آلِ عمران میں نبی پاک ﷺ کو اللہ ربّ العزّت نے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آل عمرٰن:159)

ترجمہ: ''اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو''۔

یعنی آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اہم کاموں کے بارے میں مشورہ کیا کریں۔ یہ مشورہ کمالِ ایمان کا حصہ ہے۔ بعض لوگ جو اپنے آپ کو بڑا سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ منکرین میں سے ہوتے ہیں۔ وہ مشورہ کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اس دنیا میں اعلیٰ اور سب سے اونچی شان رسول اللہ ﷺ کو ملی ہے۔ باوجود نبی ہونے کے،

باوجود منجانب اللہ وحی آنے کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ یہ تربیت دینی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد معاملات کس طرح چلانے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو اللہ ربّ العزّت سے براہِ راست تعلق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تو ساری بات اوپر رکھتے، مشورہ نہ کرتے۔ لیکن ساتھ والے کو عزّت دینا، اس سے مشورہ لینا، دوسرے کو اہمیت دینا اس سے خوش ہوا کرتے تھے۔ اس کے اندر تواز ن بھی ہے اور تکبر بھی نہیں ہے۔

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے

چناں چہ حدیث میں آتا ہے کہ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ غزوۂ اُحد میں بھی مشورہ کیا۔ خندق کے موقع پر بھی مشورہ کیا۔ حُدَیبیہ کے موقع پر بھی مشورہ کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی اس عمل کو کرتے رہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تو عجیب شان تھی کہ وہ تو چھوٹے نوجوان صحابی سے بھی مشورہ لیا کرتے تھے۔ نوجوانوں کی ذہن کی تیزی اور نوعمری سے فائدہ اُٹھانا چاہیے اور وہ فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اپنے تجارتی اُمور، گھر کے کام مشورے سے طے کرنا چاہیے۔

تبلیغ کے کام کی مضبوطی

اب تبلیغی جماعت کے کام ہی کو دیکھ لیجیے۔ مشورہ تبلیغ کے کام کی ٹھوس بنیاد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس مسجد میں صبح کا مشورہ مضبوط ہے، وہاں کا کام مضبوط ہے۔ اور جس مسجد میں صبح کا مشورہ مضبوط نہیں، وہاں کا کام بھی مضبوط نہیں۔ کتنا بڑا سلسلہ اللہ ربّ العزّت نے پوری دنیا میں پھیلا رکھا ہے۔ جس طرح سورج کی روشنی پوری دنیا کو منوّر کر رہی ہے، تبلیغی جماعت کا کام ایمان اور یقین کے ساتھ پوری دنیا کو منوّر کر رہا ہے۔ اتنے بڑے

کام کی بنیاد کیا ہے؟ مشورہ ہی ہے۔ ہم مشورے کو اَہمیت نہیں دے رہے ہوتے ہیں۔ یہ حکمِ ربّی ہے۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے کاموں میں مشورہ لیں۔

سربراہ مشورہ سے کام کرے

مدرسے کے مہتمم حضرات ہیں یا اسکولز و کالجز کے پرنسپلز صاحبان ہیں۔ جو کوئی بھی ذمہ داران ہیں، انہیں چاہیے کہ اپنے کام مشورے سے طے کریں۔ اللہ کا حکم، نبی کریم ﷺ کا طریقہ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے۔ اس میں عزت ہی عزت ہے۔ عاجزی بھی ہے، اور تکبر سے بھی انسان پاک ہو جاتا ہے۔ اس لیے آیندہ سے ہم اپنے کاموں کو مشورے سے کریں۔ اچھا! اب کس چیز کے بارے میں مشورہ ہوسکتا ہے اور کس کے بارے میں نہیں ہوسکتا، یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مشورے کا محل کیا ہے؟ مشورہ کن باتوں میں کرے؟

اُمورِ مشورہ کیا ہیں؟

دیکھیں! مشورے کا حکم ہر جگہ نہیں ہے کہ ہر کام کے بارے میں مشورہ کریں۔ وہ احکامات جو کرنے کے لیے اللہ ربّ العزّت نے اپنے بندوں کو دے دیے ہیں، اس کے بارے میں مشورہ نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر کہ میں حج پر جاؤں یا نہ جاؤں؟ یہ تو فرض عمل ہے، اور اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ ہاں! آپ یہ مشورہ کریں کہ کون سے گروپ کے ساتھ جاؤں؟ کن کے ساتھ جاؤں؟ میری گنجائش اتنی ہے، میرے حالات ایسے ہیں، اور مجھے دین دار لوگوں کے ساتھ جانا ہے تو میں کیا کروں؟ یہ مشورہ تو آپ کر سکتے ہیں۔ گروپ کون سا ہو؟ جہاز کون سا ہو؟ یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ پوچھنا کہ حج کروں یا نہ کروں؟ اس پر کوئی مشورہ نہیں ہے۔

اسی طریقے سے کہ میں علمِ دین حاصل کروں یا نہ کروں؟ بھئی! علمِ دین تو حاصل کرنا فرض ہے۔ یہ پوچھا جائے کہ کون سے مدرسے میں جاؤں جہاں تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہوتی ہے۔ صرف کتابیں نہیں پڑھائی جاتیں، تربیت بھی ہوتی ہے اور دعائیں مانگنا بھی سکھاتے ہیں۔ وہ مدرسہ بتائیں جہاں راتوں کو اُٹھ کر طلبہ اور طالبات مانگتے ہوں، جہاں پردے کا انتظام صحیح ہو۔ ایسی باتوں میں مشورہ کیا جائے کہ جو چیز حاصل کرنی ہی ہے، چاہیے کہ وہ حاصل کرے۔ البتہ نوعیت کا مشورہ کیا جا سکتا ہے۔

انتظامی اُمور میں بھی مشورہ کرنا بہت ضروری ہے۔ چاہے انسان اپنے ماتحت سے ہی کیوں نہ کرے۔ اب مدرسے کی بڑی باجی ہے۔ جناب! وہ تو سینہ پھلا کر بیٹھی ہیں کہ جی! جو میں نے طے کر دیا وہی ہوگا۔ یہ تو ٹیچرز ہیں، یہ تو طالبات ہیں، یہ تو خدمت کرنے والے ہیں، ان سے کیوں مشورہ کروں؟ اگر کسی میں یہ چیز ہے تو یہ تکبر کی نشانی ہے۔ حضور پاک ﷺ سے تو بڑا کوئی نہیں۔ آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے اُمور مشورے سے طے کریں۔ مشورے کی اہمیت کو سمجھیں۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشورہ تو کرتے ہیں، لیکن بندہ اپنی ہی منوا رہا ہوتا ہے۔ مشورہ خالی نام کا ہوتا ہے۔ تو مشورہ خالی نام کا نہ ہو، بلکہ صحیح طریقے سے مشورہ ہو۔

اہلِ مشورہ کون ہیں؟

اب مشورے میں ایک اور بات سمجھ لیجیے کہ مشورہ کس سے لیا جائے؟ یہ تو سمجھ میں آ گیا کہ مشورہ کرنا ہے، لیکن کس سے کرنا ہے؟ یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ اس کے بارے میں آسانی کی بات یہ ہے کہ جس آدمی کی جو فیلڈ یا شعبہ ہے، اس میں دیندار آدمی کو دیکھا جائے اور اس سے مشورہ کیا جائے۔

اگر میڈیکل کا مشورہ ہوتو ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔ انکم ٹیکس والوں کا معاملہ ہوتو وکیل سے مشورہ کریں۔ شریعت یا دین کا مسئلہ ہوتو علمائے کرام سے مشورہ کریں۔ یہ جوجدّت پسند حضرات علماء کو کہتے ہیں کہ یہ سائنس نہیں جانتے، یہ وکالت نہیں جانتے۔ کبھی ہم نے کسی ڈاکٹر کو کہا کہ یہ وکالت کیوں نہیں جانتے، کسی وکیل کو کہا کہ یہ میڈیکل کیوں نہیں جانتے۔ ہر آدمی اپنی فیلڈ کا، اپنے شعبہ کا ماہر ہوتا ہے۔ آپ کو گھر بنوانا ہے تو سول انجینئر سے مشورہ کریں، آپ ڈاکٹر سے بالکل مشورہ نہ کریں۔ کیوں کہ جس چیز کے بارے مشورہ کرنا ہے، وہ اس کے ماہر ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ اور آج کل تو مشورہ مفت مل جاتا ہے۔ ہر فن کے بارے میں مشورہ دینے والے لوگ موجود ہیں۔ کسی بھی موضوع پر مشورہ لے لو، حاضر ہے۔ ایسا کبھی نہیں کرنا۔ ہم اس فیلڈ کے بندے سے مشورہ کریں۔ جب وہ مشورہ دے تو پھر بس، ہم اللہ کی طرف سے سمجھیں اور آسانی اِن شاء اللہ اللہ تعالیٰ کریں گے۔

مشورے کا فائدہ

اچھا! مشورے سے ہوتا کیا ہے؟ حکم تو پتا لگ گیا ہے، لیکن ہوتا کیا ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اتنا مشورہ کرتے نہیں دیکھا جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ سے کیا کرتے تھے۔ (صحیح ابنِ حبان: 216/11)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی قوم مشورے سے اپنے کام طے کرتی ہے تو ضرور صحیح راستے کی طرف ان کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ (تفسیرِ کشاف: 648/1)

جب اللہ کے حکم، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو مختلف ذہن مل کر بیٹھتے ہیں، پھر ان کی مختلف رائے سامنے آجاتی ہیں۔ پھر انسان کے لیے صحیح رائے کو لینا

آسان ہو جاتا ہے۔ بعض مرتبہ کسی چیز کے دو رُخ ہوتے ہیں اور ہمیں ایک ہی نظر آ رہا ہوتا ہے، لیکن جب ہم مشورہ کرتے ہیں تو بہت ساری باتیں دوسرے رُخ کی بھی دکھائی دیتی ہیں۔ مشورہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مشورہ کرنے والا نادم نہیں ہوتا۔ (معجم صغیر للطبرانی: رقم 980)

اللہ ربّ العزّت اس کی مدد فرماتے ہیں۔ جتنے بھی ہمارے کام ہیں، ہم مشورے سے طے کرنے کی عادت ڈالیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوگی۔

دین دار اور ذی رائے اہلِ مشورہ

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ صاحبِ رائے، اہلِ فہم سے مشورہ کرو، صحیح رہنمائی حاصل ہوگی۔ اور جب مشورہ کرلو (نیک دیندار لوگوں سے، اس فیلڈ کے جاننے والوں سے) پھر اس کے خلاف نہ جاؤ، ورنہ تمہیں ندامت ہوگی۔ (کنز العمال: رقم 7180)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مشورہ سمجھ دار اور عبادت گزار سے کرو۔ (مجمع الزوائد: رقم 834)

دیکھیے! کیا کہا جا رہا ہے کہ مشورہ کن لوگوں سے کرو؟ دین دار لوگوں سے کرو، عبادت گزار لوگوں سے کرو، جن کو اللہ ربّ العزّت کا خوف ہو، جن کے پاس دین کا علم ہو، سمجھ دار ہوں، اُن سے مشورہ کرو۔ اس لیے تو لوگ مشورہ کرنے اللہ والوں کے پاس جاتے ہیں، پھر وہ اس نور سے جو اللہ ربّ العزّت نے ان کو عطا کیا ہے جسے نورِ فراست کہتے ہیں، اس نورِ فراست سے مشورہ دیا کرتے ہیں۔ اگر ہم بے دین آدمی سے مشورہ کریں گے تو کیا ہوگا؟ اگر چہ وہ مشورہ بڑے اِخلاص سے دے رہا ہوگا، لیکن چوں کہ اسے حلال وحرام کا پتا نہیں ہے، تو اپنی طرف سے گناہ کا مشورہ دے دے گا اور اسے صحیح سمجھ رہا

ہوگا۔ دل میں آیا کہ انشورنس کرائے۔ اب اگر دین دار آدمی سے مشورہ کرے گا تو وہ کہے گا کہ یہ جائز نہیں ہے، سود ہے، حرام ہے۔ دنیا دار سے کرے گا جسے دین کا پتا ہی کوئی نہیں، وہ کہے گا کہ جی ہاں! کرلیں، اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ دیندار، ذی رائے سے مشورہ کرنے میں دنیا اور آخرت کی عزّتیں ہیں اور خیر کا باعث ہے۔

ترمذی شریف کی ایک روایت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے حکمران بہترین لوگ ہوں، اور تمہارے مال دار سخی لوگ ہوں، اور تمہارے آپس کے کام مشورے سے ہوں، اس وقت زمین کا اُوپر والا حصہ نیچے والے حصہ سے بہتر ہے۔ اور جب تمہارے حکمران بدترین لوگ ہوں، اور مال دار بخیل (کنجوس) لوگ ہوں، اور تمہارے معاملات عورتوں کے حوالے ہو جائیں تو اس وقت زمین کا نیچے کا حصہ اُوپر کے حصہ سے بہتر ہے۔ (سنن ترمذی: رقم 2197)

بخیل سے مشورہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

بعض روایات میں ہے کہ تین طرح کے شخصوں سے مشورہ کرنے کی ممانعت ہے۔ ایک یہ کہ صدقہ خیرات کرنے میں کسی بخیل کنجوس سے مشورہ نہ کرو۔ مثلاً ایک آدمی کے بارے میں آپ کو پتا ہے کہ بڑا ہی کنجوس ہے۔ اس سے پوچھیں کہ بھائی! فلاں جگہ مدرسہ بن رہا ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ وہاں دو لاکھ روپے دوں۔ وہ کنجوس آدمی منع ہی کرے گا۔ خود تو کنجوس ہے، دوسروں کو بھی صدقہ خیرات نہیں کرنے دے گا۔ اس لیے صلہ رحمی، صدقات خیرات میں یا جہاں کہیں دوسروں کی مدد کا معاملہ ہو تو وہاں کسی بخیل سے مشورہ نہ کرو۔

دوسرا فرمایا کہ جہاد کے بارے میں کسی بزدل سے مشورہ نہ کرنا۔ جو خود ہی ڈرپوک ہو، اس سے آپ نے مشورہ کیا تو وہ آپ کو بھی ڈرپوک بنادے گا۔

اور تیسری بات یہ کہ شادی بیاہ میں جوانوں سے مشورہ نہ کرنا۔ بوڑھوں نے زندگی گزاری ہے۔ اُونچ نیچ دیکھا ہوتا ہے۔ اور نوجوان اپنی نفسانیت کو سامنے رکھتے ہوئے، جذبات کو سامنے رکھتے ہوئے مشورہ دیتے ہیں جو بعد میں نقصان کا باعث ہوتا ہے۔

اسلام میں پسند کی شادی

چند دن پہلے کسی نے پوچھا کہ اسلام میں پسند کی شادی کا کیا حکم ہے؟ تو میں نے کہا کہ بھائی! اسلام کہتا ہے کہ پسند کی شادی کرو۔ اسلام نے کب کہا کہ ناپسند کی شادی کرو۔ اسلام نے تو حکم دیا کہ بھائی! گھر والے بیٹھیں، جو بڑوں کا فیصلہ ہو، جو بڑے سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں، جہاں پسند ہو وہاں رشتہ دے دیں۔ خاندان کے جو بزرگ لوگ بیٹھے ہیں، ان کی شادی بھی پسند سے ہی ہوئی ہے۔ میری اپنی شادی بھی پسند سے ہوئی ہے الحمدللہ! ماں باپ نے، دادا دادی نے، بڑوں نے پسند کیا اور شادی ہوگئی۔ یہ ہے اصل پسند کی شادی۔ اور جس کو ہمارے جوان پسند کی شادی کہتے ہیں، وہ تو نفسانیت اور حیوانیت ہے۔ اس لیے فرمایا کہ شادی کے بارے میں جوانوں سے مشورہ نہ کرو۔ یہ مطلب نہیں کہ جوان سے بغیر پوچھے ہی رشتہ کر دیا جائے۔ پوچھا جائے، لیکن بڑوں کو ساتھ شامل رکھ کر پوچھا جائے۔

یہ چند باتیں مشورے کے بارے میں وہ ہوگئیں جو ہمیں کرنی چاہیے۔ اب جس سے مشورہ مانگا جائے وہ کیا کرے؟ ہم سے کوئی آدمی مشورہ مانگے تو کیا کریں؟ اس بارے میں احادیث سن لیجیے۔

مشورہ دینے والا امانت دار ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی سے اس کے مسلمان بھائی نے مشورہ مانگا، اور اس نے بغیر سوچے سمجھے مشورہ دے دیا تو اس نے اس مسلمان بھائی کے ساتھ خیانت کی۔ (الادب المفرد: رقم 254)

اگر ہم سے کوئی مشورہ مانگے تو اس پر غور کریں، سوچیں۔ بات سمجھ آئی تو مشورہ دیں، ورنہ کہہ دیجیے کہ بھائی! آپ کسی اور سے پوچھ لیں، مجھے اس کی گہرائی کا علم نہیں ہے۔ آج تک آپ کو کوئی ایسا بندہ ملا نہیں ہوگا، اپنی طرف سے مشورہ اس نے ضرور داغا ہوگا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق جان بوجھ کر غلط مشورہ دینے والا خیانت کرنے والا ہے۔ یعنی یہ امانت میں خیانت کرنے والا ہوگیا۔

ایک اور حدیث میں فرمایا: جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ ذمہ دار ہوجاتا ہے۔
(مشکاۃ المصابیح: رقم 5061)

ہم اپنی طرف سے خیر خواہی کے ساتھ اچھا مشورہ دیں۔ اِن شاء اللہ اس کا ثواب ملے گا۔ اور اگر برا مشورہ دیں گے اور اس کا نقصان ہوا تو ہم پورے ذمہ دار ہوں گے۔ گو دنیا میں کچھ نہ ہو، مگر اللہ ربّ العزّت کے سامنے ہمارا معاملہ پیش ہوگا۔

پھر ہم جس سے مشورہ کریں دیکھیں! وہ ہمارا خیر خواہ ہو، دین کی سمجھ رکھتا ہو، پھر اس سے مشورہ کریں۔ اگر کوئی حاسد سے، کسی مخالف سے، یا جس میں کوئی بغض ہو اس سے مشورہ کرے تو بھی نقصان ہوگا۔ ہم خیر خواہ بندے سے مشورہ کریں۔ خیر خواہ کون ہوگا؟ جیسے پہلے بات آئی کہ دیندار، عبادت گزار اور ذی رائے لوگ یہ خیر خواہ لوگ ہوتے ہیں، ان لوگوں سے مشورہ کیا کریں۔ اور جب کوئی ہم سے مشورہ مانگے تو صحیح مشورہ

دیں، اپنے نفع کو، اپنے مفاد کو پیچھے رکھتے ہوئے۔ اگر ہم نے اپنے مفاد کی وجہ سے دوسرے کو پھنسوا دیا، غلط مشورہ دے دیا تو حدیث میں آتا ہے مشورہ دینے والا ذمہ دار ہوجائے گا۔ بڑی پکڑ کی بات ہے۔

ایک بزرگ کی امانت داری کا واقعہ

ہماری رہائش پہلے انارکلی میں تھی۔ ٹاؤن شپ میں 1993ء میں رہنے آئے ہیں۔ وہاں انارکلی میں ہمارے گھر کے نیچے ہی ایک بزرگ کی کپڑے کی دکان تھی۔ جماعت میں ان کا آنا جانا ہوتا تھا۔ بہت نیک آدمی تھے۔ ایک مرتبہ اُن کے ایک دوست اُن کے پاس آئے اور بات چیت کے درمیان کہا کہ جناب! میرا ایک لڑکا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے لڑکے کی شادی آپ کی لڑکی سے ہوجائے۔ اِن بزرگ نے کہا کہ اچھا! ٹھیک ہے مشورہ کر کے بتائیں گے۔ بات ختم ہوگئی۔

تھوڑی دیر بعد اسی مجلس میں بات ہوتے ہوتے ان بزرگ نے اپنے دوست سے پوچھا کہ بھئی! میری بیٹی کا رشتہ آیا ہے۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں کہ جس نے رشتہ مانگا تھا، اسی سے کہہ رہے ہیں کہ میری بیٹی کا رشتہ آیا ہے میرے ایک دوست کی طرف سے۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اب وہی دوست جس نے اپنے بیٹے کے لیے رشتہ مانگا تھا، اپنا سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر بعد کہنے لگا کہ آپ کی بیٹی پاکدامن ہے، نقیہ ہے، تقیہ ہے، آپ حضرات کا شریف خاندان ہے۔ میرے بیٹے کو میں جانتا ہوں، رشتہ مناسب نہیں ہے۔ عجیب بات ہے یا نہیں؟ جو رشتہ مانگنے والا تھا، اسی سے جب مشورہ لیا گیا اسی کے بیٹے کے بارے میں تو کہہ دیا کہ نہیں، آپ کی لڑکی کے مناسب نہیں ہے۔ یہ ہے امانت اور دیانت داری۔ ایسی مثالیں کہیں کہیں ملتی ہیں۔

یہ مشورہ امانت ہوا کرتا ہے۔ جب کوئی مشورہ دے تو اللہ کو سامنے رکھتے ہوئے مشورہ دے، پھر اِن شاء اللہ آسانی ہوگی۔ یہ تین باتیں آپ کے سامنے آگئیں: سفارش، اچھا گمان، اور مشورہ۔

انصاف کی بات قبول کرنا اور کہنا

چوتھی بات عدل وانصاف سے رہنے کی ہے۔ ہم آپس میں انصاف سے کام لیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں سبقت کرنے والے کون ہوں گے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے کہ جب ان سے کوئی حق بات کہی جائے تو (بغیر چوں وچرا) قبول کریں، اور کوئی آدمی ان سے اپنا مطالبہ کرے یا کچھ مانگے تو خرچ کریں، اور لوگوں کے لیے ایسا فیصلہ کریں جو اپنے لیے کرتے ہیں۔

(مشکاۃ المصابیح: رقم 3711)

حق بات کو قبول کرلینا بہت بڑی صفت ہے۔ اور عام طور پر یہ بات لوگوں میں نہیں پائی جاتی۔ بعض لوگ بات کرتے ہیں اور اس پر ڈَٹ جاتے ہیں، ہلتے نہیں۔ اپنی اَنا کی وجہ سے اَڑ جاتے ہیں۔ بس جو ہم نے کہہ دیا وہی ہوگا۔ قیامت کے دن عرش کا سایہ حاصل کرنے کے لیے حق بات کو قبول کرنا بہت ضروری ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر یہ شان بہت تھی کہ حق بات کو قبول کیا کرتے تھے۔ اسی طرح فرمایا کہ اس سے سوال کیا جائے، مانگا جائے تو خرچ کرے۔ یعنی کوئی مال مانگنے آجائے تو عطا کریں۔ خرچ کرنے میں بخل نہ کریں۔ اور فرمایا کہ لوگوں کے لیے وہ فیصلہ کریں جو اپنے لیے کرتے ہیں۔ اگر ہم نے اس بات کو سمجھ لیا کہ جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، وہی دوسروں کے لیے

کیا جائے تو معاملہ آسان ہو جائے گا۔ جنت میں جانا آسان ہو جائے گا۔ آپس میں محبت سے رہنا، اتحاد سے رہنا، مل جل کر رہنا یہ سب ضروری ہے۔ سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ صلح کرادیا کرواور خدا سے ڈرتے رہو۔

آپس میں صلح کرانا

آج کی مجلس کی آخری بات یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح کراؤ۔ آپس میں رنجش ہو جاتی ہے، خرابیاں ہو جاتی ہیں۔ اب اس بارے میں قرآن کریم اور حدیث شریف میں کیا ارشادات ہیں؟ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ (الحجرات:10)

ترجمہ: ''اپنے دو بھائیوں کے درمیان تعلقات اچھے بناؤ''۔

سب سے زیادہ ہمارے یہاں گڑبڑ میاں بیوی کے تعلقات میں ہو رہی ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو بہت سخت نفرت ہے۔ وہ شخص جو میاں بیوی کو دور کرنے کا ذریعہ بنے، اللہ ربّ العزّت کو پسند ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف محبت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ میاں بیوی دونوں پہلے نامحرم تھے، اللہ تعالیٰ کے نام سے جڑ گئے، ایک ہو گئے۔ اب ان کو جوڑے رکھنا معاشرے کی ذمہ داری ہے۔

ساس کی بہو سے ناراضگی کا اثر

ہوتا کیا ہے ساس کو بہو سے نفرت ہے۔ بہو کی کوئی بات کسی موقع پر بری لگی ہوگی، اب یہ اپنے بیٹے سے اپنے انداز میں بات کرے گی کہ بیٹے کے دل میں اپنی بیوی کے دل میں بدگمانی ہو جائے، یا برا تاثر پیدا ہو جائے۔ اس طرح دو دلوں میں دوری پیدا ہو جائے گی۔ جہاں پہلے محبت تھی، اب نفرت ہوگی۔ آج یہ ماحول بنایا جا رہا ہے کہ میاں

بیوی میں دوری پیدا کرنی ہے۔

میاں بیوی کی لڑائی میں والدین کا کردار

میاں بیوی میں دوری پیدا کرنے میں لڑکی کے ماں باپ، لڑکے کے ماں باپ بہترین رول ادا کرتے ہیں۔ خاص طور پر لڑکی کی ماں، اگر یہ بڑھیا ہو اور فتنے کی پُڑیا ہو تو گھر تباہ کرنے میں سب سے زیادہ اسی کا حصہ ہوتا ہے۔ ہر معاملے میں دخل اندازی کرنا، ہر ہر بات پوچھنا۔ اتنے معاملات ہوتے نہیں جتنے یہ بناتی ہیں اور بیٹی کا گھر خراب کرنے میں سب سے بڑا کردار ادا کرتی ہیں۔ خود کی تربیت نہیں ہوئی ہوتی اور غلط مشورے دے کر بیٹی کا گھر خراب کرتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ حدیث شریف میں اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟

حضور ﷺ کی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو نصیحت

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُن سے فرمایا: اے ابوایوب! کیا میں تمہیں ایسا صدقہ نہ بتاؤں جو اللہ تعالیٰ کو اور اللہ کے محبوب ﷺ کو راضی کرے؟ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، ضرور بتائیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: جب لوگوں کے درمیان جھگڑا ہونے لگے تو تم صلح کراؤ۔ اور جب لوگوں کے درمیان دوری ہو تو ان کو ایک دوسرے کے قریب کرو۔ (شعب الایمان للبیہقی: رقم 10336)

جب لوگوں میں آپس میں بغض ہو اور لڑائی ہو رہی ہو تو وہاں اپنا کردار ادا کرو، صلح کراؤ۔ جب ہم دیکھیں کہ میاں بیوی آپس میں دور ہو رہے ہیں، ان کو قریب کرنے کی فکر کریں۔ غلط فہمی کی وجہ سے دو دوست دور ہو رہے ہیں، ہم قریب کرنے کی فکر کریں۔ دو بھائی دور ہو رہے ہیں، ہم قریب کرنے کی فکر کریں۔ اس سے ملے گا کیا؟ غور سے

سننے والی بات ہے۔

صلح کروانے کی فضیلت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اپنے معاملے کو درست فرمائیں گے، اور اسے ہر اس بات کے بدلے میں جو اس نے صلح کے لیے کی ہوگی، غلام آزاد کرنے کا ثواب دیں گے، اور وہ اس حال میں لوٹے گا کہ اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (ترغیب وترہیب: رقم 4262)

دو بندوں کی لڑائی ہوگئی، ایک آدمی نے کوشش کی کہ دونوں کے درمیان راضی نامہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کی کوشش کرنے والے کے اپنے معاملات میں درستگی عطا فرماتے ہیں، اور اس شخص کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اور اس صلح کے ہر لفظ کے بدلے میں، ہر بول کے عوض میں اسے ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے۔ اگر آپ فریقین کے درمیان صلح کروا رہے ہیں، بات چیت ہو رہی ہے۔ بات کرتے کرتے ایک گھنٹہ ہوگیا، اس میں آپ نے سینکڑوں کلمات بولے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو سکتے ہیں۔ بعض دفعہ آپ جوڑ پیدا کرنے کے لیے بولتے گئے، سمجھاتے گئے، تو یہ بولنا خالی نہیں جاتا۔ ہر ہر لفظ پر آپ کو ایک ایک غلام کی رہائی کا ثواب مل رہا ہوتا ہے۔ دیکھ لیجیے کہ لوگوں میں صلح کروانا کتنی بڑی عبادت اور اللہ کو اتنا پسند ہے۔

صلح کے لیے حیلہ اختیار کرنا

بتائیے کہ جھوٹ بولنا نیکی ہے یا گناہ؟ بتائیں۔ گناہ ہے۔ پکی بات ہے۔ اور کبیرہ گناہ ہے، کوئی عام گناہ بھی نہیں۔ لیکن اگر دو بندوں کے درمیان لڑائی ہوا اور اس میں صلح

کروانے کے لیے جھوٹ بول دیں تو یہ گناہ نہیں۔ اللہ ربّ العزّت نے اس کی صحیح نیت کی وجہ سے گناہ کو ختم کر دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو کتنا پسند ہے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنا۔

حضرت اُمّ کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

لیس الکذّاب الذي یصلح بین النّاس فینمي خیراً أو یقول خیراً.

(صحیح البخاري: رقم 2546)

ترجمہ: ''جھوٹا وہ نہیں ہے جو لوگوں میں باہم صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس کے لیے کسی اچھی بات کی چغلی کھائے یا اسی سلسلہ کی اور کوئی اچھی بات کہہ دے''۔

جو انسان دو شخصوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، وہ جھوٹا نہیں ہے، وہ یا تو خیر بولے گا یا خیر پہنچائے گا۔ یہ نیت کا معاملہ ہے۔ اسی طرح میاں بیوی کے معاملات ہوں، دونوں میں خرابی آ رہی ہو تو جوڑ پیدا کرنے کے لیے، رشتہ باقی رکھنے کے لیے جھوٹ بولنا پڑے تو اس پر بھی نیکی کا ثواب ملے گا۔

آج کل ہو کیا رہا ہے؟ توڑ کروانے کے لیے جھوٹ بولا جا رہا ہے۔ گھروں کے کتنے ایسے معاملات ہیں، دن رات ایسی چیزیں پیش آ رہی ہیں کہ بس! اللہ تعالیٰ ہی ہماری حفاظت فرمائے، اور اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے، اور تقویٰ عطا فرمائے۔ ہم اہلِ ایمان کی نیک صحبتیں اپنائیں گے تو ہمیں یہ نعمتیں مل جائیں گی۔

صحبت کا اثر ہوتا ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو، اور اپنا کھانا پرہیز گاروں کو کھلاؤ۔ (سنن ترمذی: رقم 2331)

مطلب یہ کہ نیکوکاروں کے ساتھ اپنے تعلقات رکھو اور گناہ گاروں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ نیکی کے نیک اثرات ہیں، اور گناہ کے برے اُثرات ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا کے دشمن یہودی اور نصاریٰ کے مذہبی اجتماع اور میلوں میں شریک ہونے سے بچو، اگر ان پر عذابِ خداوندی نازل ہوا تو مجھے ڈر ہے کہیں تم تک نہ پہنچ جائے۔ اور ان کے اندرونی حالات جاننے کی کوشش نہ کرو، ورنہ ان کی عادات واَطوار تمہارے اندر آ جائیں گے۔

(شعب الایمان للبیہقی: رقم 8940)

اور آج یہ بات پوری ہو چکی ہے۔ ہمارے یہاں ہر دن جو یہود و نصاریٰ کا دن ہے، وہ منایا جاتا ہے۔ بے حیائی کا دن منانے کی فکر ہوگی۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ ہم نے اپنی مجالس کو ٹھیک نہیں رکھا۔ اس سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ اللہ ربّ العزّت ہم سب کو نیکی اور تقویٰ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

کم بولنا، اچھا بولنا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا ○ (الفرقان:72)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا زبان پر کلام

زبان کی آفات کا اندازہ لگانا انتہائی مشکل کام ہے۔ یہ زبان انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے، اور اس کا استعمال انسان کو جلد نیچے گرا دیتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک انتہائی مفید بات لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ زبان سے جو نکلنے والی باتیں ہیں، ہم انہیں

چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1 جن کے کہنے سے نقصان ہی نقصان ہے۔ یعنی ایک بات تو وہ ہے کہ انسان منہ سے جو بھی بات کرتا ہے وہ ہے ہی گناہ۔ جیسے: گناہ کی بات کرنا، کسی کی چغلی کرنا، نامحرم سے باتیں کرنا، شیطانی اور شہوانی گفتگو کرنا، کسی کی غیبت کرنا۔ ان باتوں میں سراپا نقصان ہی ہے۔

2 جن کے کرنے سے کچھ نفع بھی ہے، اور کچھ نقصان بھی۔

3 جو نفع اور نقصان دونوں سے خالی ہیں۔

4 وہ باتیں جن میں فائدہ ہی فائدہ ہو۔

لغویات سے چھٹکارا

کہتے ہیں کہ اگر انسان غور کرے تو مذکورہ چار قسموں میں سے تین تو ایسی ہیں جو قابلِ ترک ہیں، چھوڑ دینے والی ہیں، جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کو بھی انسان چھوڑے جس میں نقصان ہی نقصان ہے، اور اس کو بھی انسان چھوڑے جس میں کچھ نقصان اور کچھ نفع ہے۔ انسان صرف اس درجے میں رہے جس میں فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہو۔ تین چوتھائی تو ہمیں ابھی خاموشی مل جائے گی اگر ہم اپنے اندر یہ چاروں چیزیں چیک کر لیں، اور یہ ارادہ کر لیں کہ آج کے بعد ہم نے صرف وہی بات بولنی ہے جس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہو۔ میرا خیال ہے 95 فیصد لغویات تو ابھی ختم ہو جائیں گی اگر ہم اس اصول کو سامنے رکھیں کہ بولیں تو کم بولیں، ورنہ خاموش رہیں۔

خاموشی کہاں مطلوب ہے؟

اچھا! اب خاموشی کا مطلب یہ نہیں کہ جہاں انسان کو ضرورت ہو وہاں بھی نہ

بولے۔ ہاں! اگر ضرورت کی جگہ ہو تو وہاں بولے، اور اگر غیر ضروری جگہ ہے تو وہاں نہ بولے۔ قرآن پاک میں اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں:

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۝ (الفرقان:72)

ترجمہ: ''اور جب لغو چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں''۔

لفظِ ''لغو'' کہنے کا مقصد

لغو کہنے کا کیا مقصد ہے؟ کھیل ہو رہا ہے، تماشے ہو رہے ہیں، میلے ہو رہے ہیں۔ لغو ہر وہ چیز ہے جس میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہو، اور نہ ہی آخرت کا کوئی فائدہ ہو۔ ذہنی صلاحیت بھی متاثر، جسمانی صلاحیت بھی متاثر، معاشرتی نقصانات الگ، روپے پیسے کا نقصان الگ۔ یہ ٹی وی جسے ٹی بی کہنا چاہیے، کونسا جنت کا راستہ دکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کی صفات میں سے ایک صفت بیان کی کہ رحمٰن کے بندے ہر ایک لغو بات سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور اس میں شامل نہیں ہوتے۔

دینِ اسلام کا حُسن

حدیث شریف میں آتا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی اُمور کو ترک کردے۔

(مشکاۃ المصابیح: کتاب الآداب، رقم 4840)

ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: بے شک آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بے فائدہ باتوں میں اختصار کرے یعنی چھوڑ دے۔ (مسند احمد: 201/1)

ہر وہ کام جس سے نہ تو دنیا کا کوئی فائدہ ہو، اور نہ دین کا کوئی فائدہ ہو، وہ لایعنی اور لغو ہے۔ اپنے محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وقت ہمیں امانت دیا ہے،

ہم اسے کتنا اس کی یاد میں خرچ کرتے ہیں اور کتنا اِدھر اُدھر کی باتوں میں ضائع کر دیتے ہیں۔ پھر بہت سارے لوگ کہتے بھی ہیں کہ حضرت! ذکر کا وقت نہیں ملتا، معمولات کا وقت نہیں ملتا، مراقبے کا وقت نہیں ملتا۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

اسی سے ملتی جلتی بات حضرت مولانا مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہی تھی، جب وہ تھانہ بون بیعت کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت! ایک تو میں بیعت ہونا چاہتا ہوں، اور دوسرا یہ کہ پڑھنے پڑھانے کی بہت مصروفیت ہے تو مجھے ذکر واذکار بہت زیادہ نہ بتا دیجیے گا۔

اب ذرا حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات میں غور تو کریں۔ اپنی مصروفیت کو بیان کر رہے ہیں۔ اور ان کی مصروفیت کن چیزوں میں تھی؟ انٹرنیٹ پر، موبائل پر؟ ان کی مصروفیت وقت کو اور قبر کو خراب کرنے والی نہیں تھیں۔ وہ تو پڑھنے پڑھانے کی علمی مصروفیات تھیں۔ دار العلوم دیوبند میں کتابیں پڑھانے کے لیے مطالعہ، پھر لوگوں کے مسائل کا شرعی حل، افتاء کا شعبہ۔ ان امور کی وجہ سے انہوں نے عرض کیا تھا کہ میں نہ تو زیادہ مراقبہ کر سکتا ہوں، اور نہ ذکر، اور نہ ہی ضربیں لگا سکوں گا۔ اگر آپ نے زیادہ دیا تو میں پورا نہیں کر سکوں گا۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس زمانے میں انہیں ایک نصیحت فرمائی تھی۔ فرمایا کہ طریقہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں اور عمل آپ کر لیں، اس کے بعد آپ کو وقت کی کمی کی شکایت نہیں ہوگی۔ ایک کام میں آپ کو بتا دیتا ہوں، اس کے

بعد آپ نہیں کہیں گے کہ آپ کے پاس ذکر کا وقت نہیں ہے، مراقبے کا وقت نہیں ہے۔ مفتی صاحب ﷫ نے فرمایا کہ جی بتائیں! مولانا اشرف علی تھانوی ﷫ نے فرمایا کہ آپ اس حدیث پر عمل کر لیجیے کہ ہر وہ کام جس میں نہ دین کا فائدہ ہو اور نہ ہی دنیا کا، اس کام کو بالکل چھوڑ دیں، آپ کے پاس وقت نکل آئے گا۔

اپنے معمولاتِ یومیہ کو چیک کریں

آج یہی معاملہ میرے اور آپ کے ساتھ بھی ہے۔ اور سو فیصد ہے، ایک فیصد بھی کم اور زیادہ نہیں۔ ہم اپنے کاموں کو دیکھیں تو معلوم پڑ جائے گا کہ ہم ایسے کاموں میں منہمک ہیں جو ہمارے لیے نہ دنیا میں فائدہ مند ہیں، اور نہ آخرت کے لیے ذخیرہ بنیں گے۔ ہم ایسے کام کو چھوڑ دیں تو ہمارے پاس بھی وقت ہی وقت ہے۔ ہم میں سے کتنے ایسے لوگ ہیں جو گھنٹوں ایسے کاموں میں لگاتے ہیں جن کاموں سے نہ تو دین کا کوئی فائدہ اور نہ دنیا کا فائدہ، بلکہ ہم میں سے کتنے ایسے ہوں گے جو گھنٹوں ایسے کاموں میں لگا دیتے ہیں، پتا ہے کہ اس سے ہماری قبر میں عذاب آئے گا، سانپ بچھو آئیں گے، اور ہماری آخرت بھی تباہ ہوگی، اللہ ربّ العزّت بھی ناراض ہوں گے، پھر بھی کرتے ہیں۔ ابھی تو ہم اِدھر جا نہیں رہے، اس موضوع کو پکڑ نہیں رہے۔

ہم بس اتنی بات کہہ رہے ہیں کہ جو بالکل غیر ضروری گفتگو ہے، اسے چھوڑ دیں۔ پھر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت! میرے پاس وقت نہیں ہے 24 گھنٹوں میں ذکرِ الٰہی کا، یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اگر کوئی کہے تو وہ اپنا آ کر حساب بتائے کہ جی! میری صبح سے لے کر رات تک، اور رات سے لے کر صبح تک کی یہ روٹین ہے۔ پھر ہم اسے بتا دیں گے کہ کون سا کام تمہارا صحیح ہے، دین کے لیے ہے اور آخرت کے لیے ہے، اور کون سا کام

بے فائدہ۔ ہاں! بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، لیکن وہ خاص خاص لوگ ہوتے ہیں، بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے علماء ہوتے ہیں، دین کا کام کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کے معاملات اور ہیں۔ میں اور آپ ہم تو عام آدمی ہیں، ہم اپنی باتیں کر رہے ہیں۔ بہت بڑے بڑے حضرات ایسے ہیں واقعی میں جن کے پاس وقت نہیں ہوتا۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ نصیحت

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ رمضان آیا تو دیکھا کہ لوگوں میں شوق بڑھ گیا ہے نماز اور قرآن کا، اور مسجدیں بھر رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر طبیعت میں احساس پیدا ہوا اور کہنے لگے کہ رمضان آتا ہے، لوگوں کی عبادتیں بڑھ جاتی ہیں۔ افسوس! ہمارا وہی حال رہتا ہے۔

کیا مطلب اس بات کا؟ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی عبادت یا رغبت بڑھتی نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح لوگ رمضان گزارتے ہیں، اس طرح سے تو وہ سارا سال گزارتے ہیں۔ سارا سال وہ عبادت میں گزارتے ہیں۔ اُن کا ایک ایک لمحہ دین کے لیے وقف ہوتا ہے۔ پندرہ سو کتابیں تھانہ بھون میں چھوٹی سی جگہ پر لکھ کر چلے گئے۔ ہم تو پندرہ سو کتابیں پڑھ نہیں سکتے، لکھنا تو دور کی بات ہے۔ ان کا ایک ایک لمحہ ایسا کیلکولیٹڈ گزر رہا ہوتا ہے تو رمضان میں کیا اضافہ کریں؟ دن تو چوبیس گھنٹے کا ہی ہے۔ یہ مقصد تھا۔

مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چاہت

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ محترم حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ سردیوں کی اچھی دھوپ میں گنا چوسیں گے۔ فرماتے ہیں کہ بیس سال گزر گئے، مگر مجھے گنا چوسنے کا موقع نہیں ملا۔ یہ خواہش بیس سال سے

دل میں بیٹھی ہوئی تھی کہ جب وقت ملے گا تو گنا چوسوں گا۔ ایسے حضرات آج بھی الحمدللہ! موجود ہیں، لیکن وہ چند ایک لوگ ہیں۔ میں تو اپنی اور آپ کی بات کر رہا ہوں کہ ہم لوگ کہاں ہیں۔ اگر آج سے ہم لوگ اپنے حالات کو دیکھنا شروع کریں اور لایعنی کو زندگی سے نکال دیں تو ہمارے پاس بہت وقت ہے۔

حدیث شریف میں حکم

ایک بات تو ہماری یہ ہوگئی کہ کم بولنا، اس کے لیے ہم فکر مند ہوں۔ اور اگر بولنا ہو تو اچھا بولنا، کیوں کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ بھلائی کی بات کہے، یا خاموشی اختیار کرے۔ (صحیح بخاری: رقم 5700)

آدمی اچھی بات ہی زبان سے نکالے، کوئی برائی کی بات زبان سے نہ نکالے۔ اگر کوئی بھلائی کی بات اس کے پاس نہیں تو پھر خاموشی اختیار کرے۔ اس حدیث شریف میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کا واسطہ دے کر فرمایا ہے کہ بھلائی کی بات کرو، یا خاموش رہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام فرما دینا ہی کافی تھا، مگر ایمان والے کو پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا اور پھر آخرت کی یاد دلائی کہ دیکھو! جو بولو گے، اس کا آخرت کے دن بدلہ ہوگا۔ اور ناحق بات سے خاموشی اور شر و فساد کے کلام سے دوری میں صدقہ کا اَجر ہے۔

اب بات چیت کرنے کے لیے بھی کچھ باتیں کر لیتے ہیں کہ بات چیت کرنی کیا ہے، کرنی کیسے ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ حضرات کہنے لگیں کہ حضرت جی نے بولتی بند کر دی، بولنے پر پابندی لگا دی۔۔ اشاروں میں گفتگو نہیں کرنی ہے۔ بولنا تو ہے، مگر کیسے بولنا ہے؟ یہ ہم کس سے سیکھیں گے؟ وہ بھی جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سیکھیں گے۔ نبی

کریم ﷺ نے سب کچھ بتایا ہے۔ ہم نبی کریم ﷺ کی باتوں پر عمل کریں گے۔ قرآن کی باتوں پر عمل کریں گے تو مزے ہی مزے ہیں، دنیا کے بھی اور آخرت کے بھی۔

خوش اخلاقی کے فضائل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کے لیے تم خندہ پیشانی سے پیش آؤ، یہ صدقہ ہے۔ (سنن ترمذی: رقم 1956)

ایک صحابی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی بھی نیکی کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو اگرچہ اپنے بھائی سے ہشاش بشاش چہرے سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔ (صحیح مسلم: باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، رقم 2626)

کسی نیکی کو چھوٹا مت سمجھو کہ یہ تو چھوٹی سی نیکی ہے اس کو کیا کرنا۔ نیکی نیکی ہوا کرتی ہے۔ تو کسی بھی نیکی کو حقیر مت دیکھو خواہ تم اپنے بھائی کے ڈول میں اپنے ڈول سے پانی ہی کیوں نہ بھر دو۔ (سنن ترمذی: رقم 1956)

چھوٹا سا ہی کام ہے، لیکن اس کو بھی چھوٹا نہ سمجھو۔ اور فرمایا کہ اپنے بھائی سے خوش اخلاقی سے ملو، اچھے انداز سے بات کرو، خوشی کے ساتھ بات کرو۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف میں ترجمۃ الباب کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ. (صحيح البخاري: باب طيب الكلام)

ترجمہ: ”پاکیزہ بات (خوشگوار بات) کرنا صدقہ ہے“۔

اچھے انداز سے اچھی بات کرنا صدقہ ہے۔ ایسے انداز سے بات کرنا کہ مؤمن خوش ہو جائے یہ صدقہ ہے۔ اس ترجمۃ الباب کی حقیقت کو علماء خوب جانتے ہیں، ہم اس کی

تفصیل میں نہیں جا رہے۔ اسی ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا النار ولو بشق تمرة، فإن لم تجدوا فبكلمة طيبة.

(صحيح البخاري: رقم 5677)

ترجمہ: ''جہنم کے عذاب سے بچو خواہ کھجور کے ایک دانے (کو صدقہ کرنے) سے ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر (ایک دانہ بھی) تمہارے پاس نہ ہو تو تم لوگوں سے اچھے انداز سے بات کرو (یہ بھی جہنم سے آڑ ہے)''۔

ترجمہ کے ساتھ مفہوم بھی عرض کر رہا ہوں تا کہ بات اچھی طرح سمجھ آئے۔

ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ کون سے اعمال ہیں جن کے سبب لوگ کثرت سے جنت میں داخل ہوں گے؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا خوف اور حسنِ اخلاق۔ (سنن ترمذی: رقم 2004)

قرآن مجید میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرة: 83)

ترجمہ: ''اور لوگوں سے بھلی بات کہنا''۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں حاضرِ خدمت ہوا، تا کہ میں دیکھوں کہ کیا آپ وہی نبی آخر الزماں ہیں۔ (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، یہودیوں کے بڑے عالم تھے) فرماتے ہیں کہ جب میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھا تو میں نے اس بات کا یقین کر لیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ پھر میں نے سب سے پہلی بات جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی وہ یہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما

رہے تھے: سلام کو رائج کرو، اور لوگوں کو کھانا کھلاؤ، اور لوگ جب رات کو سو رہے ہوں تو تم تہجد پڑھو، جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ۔ (سنن ترمذی: رقم 2422)

جنت میں جانے کا آسان راستہ کیا بتایا؟ کہ لوگوں کو کھانا کھلاؤ، سلام رائج کرو، رات کو تہجد پڑھو۔ جب لوگ سو رہے ہوں تم اس وقت اللہ کی عبادت کرو تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ کیا عجیب شان تھی ان حضرات کی۔ اللہ اکبر!

پھر ایک حدیث میں آتا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یقیناً جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا باہر اندر سے نظر آتا ہے، اور اندر باہر سے نظر آتا ہے۔ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب! وہ کس کے لیے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ اس شخص کے لیے ہیں جو خوش کلامی سے پیش آئے، اور لوگوں کو کھانا کھلائے، اور اللہ کی عبادت کرے جب لوگ سو رہے ہوں۔ (مستدرکِ حاکم: رقم 247)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی لوگوں کے ساتھ خوبصورتی سے، خوش کلامی سے بات چیت کرتے تھے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ نرمی کے ساتھ، خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کریں۔

حضرت اُمّ درداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ جب کوئی بات کرتے تو مسکراتے تھے۔ چہرے پر مسکراہٹ ہوا کرتی تھی۔ ایک دفعہ میں نے ان سے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ لوگ آپ کو بے وقوف سمجھیں گے۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو مسکراتے تھے۔ (میں تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو پورا کرتا ہوں، اس لیے میرے چہرے پر مسکراہٹ رہتی ہے)۔ (مسند احمد: رقم 21228)

لوگوں کا دل جیتنا

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے چہرے پر ہر وقت وَٹ پڑے ہوتے ہیں اور

جلال نظر آ رہا ہوتا ہے۔ اس جلال کو جمال میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ لوگوں کا دل جیتنے کا طریقہ کیا ہے؟ مال سے خرید سکتے ہیں؟ خوبصورتی سے خرید سکتے ہیں؟ بے حیائی سے خرید سکتے ہیں؟ کیا طریقہ ہے؟ لوگوں کا دل جیتنے کا طریقہ یہ ہے کہ تمہارے چہرے پر مسکراہٹ ہو، اور اچھے اخلاق ہوں۔ مال سے خوشامدیں تو جمع ہو سکتی ہیں، لیکن جو دلوں کی بات ہوتی ہے وہ چہرے کی مسکراہٹ سے ہوگی اور اچھے الفاظ سے ہوگی۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نیکی صدقہ ہے، اور یہ نیکی ہے کہ تم اپنے بھائی سے اس طرح ملاقات کرو کہ تمہارا چہرہ کھلا ہوا تروتازہ ہو۔ (سنن ترمذی: رقم 1970)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھتے تو مسکراتے ہوئے دیکھتے۔ (صحیح بخاری: رقم 2871)

تو ہم اپنے چہرے پر مسکراہٹ لے آئیں۔ اور جس سے بھی بات کریں نرم گفتگو سے بات کریں۔ اللہ ربّ العزّت نے زبان میں ہڈی نہیں بنائی، زبان نرم ہے، الفاظ بھی نرم کریں۔

گفتگو میں نرمی کہاں صحیح ہے؟

اچھا! اب دو تین باتیں نرم گفتگو سے متعلق ہو جائیں۔ نرم گفتگو کہاں کہاں کر سکتے ہیں اور کس کس سے کر سکتے ہیں؟ اور کس سے نہیں کر سکتے؟ غور سے بات کو سنیے گا۔ والدین سے، رشتہ داروں سے، بہن بھائیوں سے، محرم رشتہ داروں سے، کاروباری تعلق جن سے ہے، اور جن سے شریعت نے اجازت دی ہے۔ علمائے کرام سے اس کی تفصیل موقع بہ موقع پوچھ لی جائے۔ مرد تمام مردوں سے نرم گفتگو کریں، اور عورتیں

عورتوں سے بات کریں تو نرم گفتگو کریں۔ اگر عورت اپنے محرم سے بات کرے، خاوند سے بات کرے تو نرم لہجے میں بات کرے۔ سختی سے پیش نہ آئے۔ اور اگر نامحرم سے بات کی ضرورت پیش آئے، بغیر ضرورت نہیں، کوئی مجبوری پیش آئی تو نرم گفتگو کی کوئی اجازت نہیں ہے۔ محرم رشتہ دار ہیں تب تو ان کے ساتھ نرم گفتگو کریں، سلیقہ سے بات کریں۔ لیکن جب نامحرم سے بات کرنے کی ضرورت پڑے تو اب نرم گفتگو کا کوئی موقع نہیں۔ یہاں قرآن پاک نے الگ سے وضاحت دی ہے کہ یہ بات دونوں کے لیے پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ آج کافروں کا ایک قول ہے کہ جس طرح ایک خاوند ایک غیر عورت سے بات کرتا ہے اگر بیوی سے کرے تو کبھی جھگڑا نہ ہو۔

غیر محرم سے بات کرنے کا ضابطہ

نامحرم سے بات کرتے ہوئے کیا کیا جائے؟ اس کے بارے میں اُصول یہ بنا لیا جائے کہ پہلے تو پوری کوشش ہو بچنے کی۔ بات ہی نہیں کرنی۔ اگر کوئی جائز ضروری بات ہو جیسے کبھی ڈاکٹر سے کرنی پڑ جائے، وکیل سے کرنی پڑ جائے، کسی دوکاندار سے ضرورت پڑ گئی۔ الغرض کوئی جائز ضروری بات کرنی پڑ بھی جائے تو پورے پردے میں ہوں۔ مکمل شرعی پردے میں خاتون ہو۔ اور بات کو اس طرح سے کرے کہ انداز میں اجنبیت ہو، روکھا پن ہو۔ دیکھیں! جب انسان کسی سے ناراض ہوتا ہے تو کیسی گفتگو کرتا ہے؟ بس کھچی کھچی بات کرتا ہے اور مخصوص بات کرتا ہے۔ یہ طے کرلیں کہ آج سے ہم اللہ ربّ العزّت کے لیے ہر نامحرم سے ناراض ہیں۔ ہمیں ان کو راضی کر کے کیا حاصل؟ ان سے بات نہیں کرنی۔ اللہ کے لیے ہماری ان نامحرموں سے ناراضگی ہے۔

لیکن اب اس کا مطلب بدتمیزی بھی نہیں ہے کہ آپ لٹھ مارنا شروع کر دیں۔ اجنبی

سے گفتگو میں اگر بات دو جملوں میں پوری ہو سکتی ہے تو تیسرا جملہ نہ بولا جائے۔ ''کرو بات ساری رات'' پیکجز لے لے کر باتیں کرنے کی تو کوئی گنجایش نہیں ہے۔ بہت مخصوص اور مختصر بات کی جائے، زیادہ بات ہی نہ کی جائے۔ کیوں کہ جب بات ہوتی ہے تو بات سے بات بڑھتی ہے، اور پھر یہ بات ملاقات تک جاتی ہے۔ پتا تب چلتا ہے جب پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔ شیطان پتا ہی نہیں چلنے دیتا۔ ایسے ایسے معاملات ہیں جو بیان نہیں ہو سکتے۔ ان حالات میں دل، دماغ میں ایک تکلیف شروع ہو جاتی ہے کہ کدھر جائیں۔ جو حالات ہمارے ہی گھروں سے، معاشرے سے، شہروں سے آ رہے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ سے ہی رحم کی فریاد کرتے ہیں۔

بیمارِ دل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ الَّذِىۡ فِىۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ (الأحزاب:32)

ترجمہ: ''لہٰذا تم نزاکت کے ساتھ بات مت کیا کرو، کبھی کوئی ایسا شخص بیجا لالچ کرنے لگے جس کے دل میں روگ ہوتا ہے''۔

یہ اللہ تعالیٰ کا قرآن گواہی دے رہا ہے کہ جس مرد کے دل میں مرض ہوگا، جن کے دل مریض ہوں گے، علاج نہیں کروایا ہوگا اپنے دل کا، جب بھی ان سے کوئی مسلمان عورت گفتگو کرے گی، نرمی سے بات کرے گی تو ان کا بیمار دل ان کی طرف جائے گا۔ ہم اپنے ہی دل پر غور کر لیں۔ اگر کوئی نامحرم عورت سختی سے بات کرے تو کیا حال ہوتا ہے، اور جب وہ نرمی سے بات کرے تو پھر کیا حال ہوتا ہے۔ جب ہم اس چیز کا فرق محسوس کر سکتے ہیں، تو پھر ہمیں اپنی بچیوں کو، گھر والوں کو یہ بات سمجھانے کی ضرورت ہے کہ جب ہمارے اندر یہ کیفیت پیدا ہو

رہی ہے تو اور نامحرم کے اندر بھی تو یہی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔

یہ قرآن ہے۔ اللہ ربّ العزّت انسانوں کے دلوں کو جاننے والے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان لینے کی ضرورت ہے۔ دوبارہ اپنی بات دہرا رہا ہوں کہ اگر نامحرم سے بات کرنے کی ضرورت پیش آئے تو ضرورت کی حد میں بات کریں اور دوٹوک لہجے میں بات کریں۔ بدتمیزی نہیں کرنی، لیکن اجنبی لہجے میں بات کرنی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش انبیائے کرام علیہم السلام آئے ہیں۔ کسی بھی نبی نے یہ خواہش ظاہر نہیں کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اے اللہ! میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ قرآن پاک میں یہ دعا ہے:

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ (الأعراف:143)

ترجمہ: ”میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو دیکھ لوں“۔

اس کی وجہ مفسرین نے یہ لکھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ ربّ العزّت سے ہم کلامی کیا کرتے تھے۔ وہ کلیم اللہ تھے۔ اُصول یہ ہے کہ جس سے بات کی جاتی ہے تو اگلہ مرحلہ پھر دیکھنے کا ہی آتا ہے، ملاقات کا ہی آتا ہے۔

اس لیے بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ جی! میں کون سا ملتا ہوں۔ بات ہی تو کرتا ہوں۔ میسیج ہی تو کرتا ہوں۔ اپنے آپ کو پہلے اسٹیپ پہ نہ روکا تو پھر اس کے بعد صرف بات نہیں رہ جائے گی۔ شیطان بڑا ظالم ہے۔ وہ انسان کو گناہ میں مبتلا کرا کے رہتا ہے۔ مردوں کے لیے بھی معاملہ یہی ہے کہ وہ نامحرم سے بات چیت میں مکمل احتیاط کریں۔

کراماً کاتبین کی ڈیوٹی

اس لیے عرض ہے کہ ہم اپنی زبان کے معاملہ میں آج ہی سے فکر مند ہوں۔ جو کچھ ہماری زبان سے نکلتا ہے وہ کراماً کاتبین فرشتے لکھتے ہیں۔ انہیں کام ہی یہ دیا گیا ہے کہ انسان جو کچھ عمل کرے زبان سے، اعضا جوارح سے، اسے نوٹ کرتے رہیں۔

اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ○ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ○ (ق:17,18)

ترجمہ: ’’اس وقت بھی جب (اعمال کو) لکھنے والے دو فرشتے لکھ رہے ہوتے ہیں، ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے۔ انسان کوئی لفظ زبان سے نکال نہیں پاتا، مگر اس پر ایک نگراں مقرر ہوتا ہے ہر وقت (لکھنے کے لیے) تیار‘‘۔

اور قیامت کے دن یہ اعمال نامہ اللہ ربّ العزّت کے ہاں کھلے گا۔ ہم گھنٹوں باتیں کرتے رہیں، لیکن یہ فرشتے لکھتے رہتے ہیں۔ ہر ہر حرف لکھا جاتا ہے اور پھر قیامت کے دن اس کی پوچھ ہوگی۔ سوچیں تو سہی! کیسے جواب دیں گے کہ ہم فلاں سے بات کرتے تھے، فلاں سے بات کرتے تھے۔ اللہ ربّ العزّت جب پوچھیں گے، سوچیں! کیسے جواب دیں گے۔ یا تو پھر اس کا کوئی ایسا جواب تیار کریں، یا پھر آسان سا طریقہ ہے کہ جواب تو ہے کوئی نہیں، توبہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں اور اس چیز سے رک جائیں۔ اسی میں ہماری نجات ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور ایک نیک خاتون

پہلے زمانے میں ایسی عورتیں بھی گزری ہیں جو کئی سالوں سے صرف اور صرف قرآن سے گفتگو کرتی تھیں۔ قرآن پاک کے علاوہ ایک لفظ نہیں بولتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں حج سے واپس جا رہا تھا، تو راستے میں ایک ایسی جگہ سے گزر ہوا جہاں ویرانہ سا تھا۔ وہاں میں نے ایک عورت کو دیکھا جو اُون کا لباس اوڑھے ہوئے بیٹھی تھی۔ میں حیران ہوا۔ میں نے قریب جا کر اسے سلام کیا: السلام علیکم۔ اس نے جواب مجھے آیتِ قرآن سے دیا، وعلیکم السلام نہیں کہا۔ اس نے کہا:

سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝ (یس:58)

ترجمہ: ''رحمت والے پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کیا جائے گا''۔

پھر میں نے پوچھا: تم یہاں کیسے آئی؟ اس نے کہا:

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ (الأعراف:186)

ترجمہ: ''جس کو اللہ گمراہ کر دے، اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا''۔

میں نے پوچھا: کہاں سے آ رہی ہیں؟ اس نے کہا:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا (الاسراء:1)

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی''۔

کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ یہ حج کر کے آئی ہے اور راستہ بھٹک گئی ہے، اور مسجدِ اقصیٰ بیت المقدس جانا چاہتی ہے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا: تم اِدھر کب سے ہو؟ اس نے یہ آیت پڑھی:

ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ (مریم:10)

ترجمہ: ''تین راتیں برابر''۔

پھر میں نے پوچھا: وضو وغیرہ کے لیے کیا کرتی ہو؟ اس نے پڑھا:

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (النساء:43)

ترجمہ: ''پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو''۔

غرض اس کی یہ تھی کہ تیمم کر کے گزارا کر لیتی ہوں۔ ابنِ مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ جب تم تین دن سے یہاں ہو، کچھ کھایا پیا نہیں، میرے پاس کچھ کھانے پینے کو ہے، تم کھا پی لو۔ کہنی لگی:

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (البقرة:187)

ترجمہ: ''اس کے بعد رات آنے تک روزے پورے کرو''۔

مطلب یہ تھا کہ روزے سے ہوں۔ میں نے کہا کہ ابھی تو رمضان کا موقع نہیں ہے اور ویسے بھی تم سفر میں ہو۔ کہنے لگی:

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ (البقرة:184)

ترجمہ: ''اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے''۔

میں نے کہا کہ لوگ تو رمضان میں بھی سفر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے۔ اس نے پڑھا:

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرة:184)

ترجمہ: ''اور اگر تم کو سمجھ ہو تو روزے رکھنے میں تمہارے لیے زیادہ بہتری ہے''۔

میں نے اس سے کہا کہ تم میری طرح بات کیوں نہیں کرتی؟ میں جو بھی بات کرتا ہوں، جواب آیتِ قرآنیہ سے دیتی ہو۔ اس نے کہا:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ○ (ق:18)

ترجمہ: ’’انسان کوئی لفظ زبان سے نکال نہیں پاتا، مگر اس پر ایک نگراں مقرر رہتا ہے ہر وقت (لکھنے کے لیے) تیار‘‘۔

پھر میں نے پوچھا کہ تم کس قبیلے سے تعلق رکھتی ہو؟ اس نے جواب میں آیت پڑھی؟

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْــُٔوْلًا ۝ (الإسراء:36)

ترجمہ: ’’اور جس بات کا تمھیں یقین نہ ہو، (اسے سچ سمجھ کر) اس کے پیچھے مت پڑو۔ یقین رکھو کہ کان، آنکھ اور دل سب کے بارے میں (تم سے) سوال ہوگا‘‘۔

فرماتے ہیں کہ جیسے ہی اس نے یہ آیت پڑھی تو میں نے کہا کہ اچھا! مجھے معاف کر دیجیے۔ جواباً اس نے یہ آیت پڑھی:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ (یوسف:92)

ترجمہ: ’’آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہوگی، اللہ تمھیں معاف کرے‘‘۔

میں نے کہا کہ اچھا! آپ کو میں آپ کے قافلے تک پہنچا دوں؟ آپ میری سواری پر سوار ہو جائیں۔ اس نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ (البقرۃ:197)

ترجمہ: ’’اور تم جو کوئی نیک کام کرو گے، اللہ اسے جان لے گا‘‘۔

مطلب یہ تھا کہ ہاں! ٹھیک ہے، میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں، مجھے قافلے تک لے جائیں۔ چناں چہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا تاکہ وہ بہ آسانی سوار ہو جائیں۔ اس نے پھر آیت پڑھی:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور:30)

ترجمہ: ''مؤمن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں''۔

میں نے یہ سنا تو میں پیچھے ہٹ کے دوسری طرف رخ کر کے کھڑا ہو گیا اور اس سے کہا کہ سواری پر بیٹھ جاؤ۔ اب وہ سواری پر بیٹھنے لگی تو سواری بدک گئی۔ اور اس کی چادر تھوڑی سی اُلجھ کر پھٹ گئی۔ جیسے ہی ایسا ہوا تو پھر اس نے یہ آیت پڑھی:

وَمَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ
(الشورىٰ:30)

ترجمہ: ''اور تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کیے ہوئے کاموں کی وجہ سے پہنچتی ہے، اور بہت سے کاموں سے تو وہ درگزر ہی کرتا ہے''۔

یہ آیت سن کر میں آگے آیا اور پھر میں نے اونٹنی کو اس طرح سے بٹھایا کہ اس کے پاؤں باندھ دیے۔ پھر ان سے کہا کہ اب آپ بیٹھ جائیں۔ تو اس نے یہ آیت پڑھی:

فَفَهَّمۡنٰهَا سُلَیۡمٰنَ (الأنبياء:79)

ترجمہ: ''چناں چہ اس فیصلے کی سمجھ ہم نے سلیمان کو دے دی''۔

یعنی تم نے اسے باندھ کر بہت اچھا کیا۔ پھر انہوں نے اونٹنی پر بیٹھ کر یہ آیت پڑھی:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾ (الزخرف:13)

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے بے بس میں دے دیا، ورنہ ہم میں یہ طاقت نہیں تھی کہ اس کو قابو میں لا سکتے''۔

کہتے ہیں کہ جب وہ اطمینان سے بیٹھ گئیں تو میں نے اُونٹنی کی رسی کو پکڑا اور تیز تیز چلنا شروع کر دیا، اور ساتھ میں ہدی پڑھنا شروع کر دی (جسے سن کر اونٹ یا اونٹنی تیز تیز چلتے ہیں) اوپر سے آواز آئی:

وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ ؕ (لقمان:19)

ترجمہ: ’’اور اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو، اور اپنی آواز آہستہ رکھو‘‘۔

میں نے آہستہ چلنا شروع کر دیا اور ہدی آہستہ پڑھنی شروع کر دی۔ اس مائی کی اوپر سے پھر آواز آئی:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ (المزمل:20)

ترجمہ: ’’اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو‘‘۔

مقصد یہ تھا کہ یہ تم کیا ہدی پڑھ رہے ہو، پڑھنا ہے تو اللہ کا قرآن پڑھو۔ کہتے ہیں کہ یہ بات سن کر ہدی پڑھنا میں نے چھوڑ دی۔ پھر میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیرِ کثیر عطا فرمائی ہے۔ وہ کہنے لگی:

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرۃ:269)

ترجمہ: ’’وہ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کر دیتا ہے، اور جسے دانائی عطا ہو گئی اسے وافر مقدار میں بھلائی مل گئی‘‘۔

کہتے ہیں کہ چلتے چلتے تھوڑی دیر بعد میں نے پوچھا کہ کیا آپ کا خاوند زندہ ہے؟ تو اوپر سے مجھے ڈانٹ آ گئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (المائدۃ:101)

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں‘‘۔

کہتے ہیں کہ میں نے چلنا شروع کر دیا اور اس بارے میں اور کچھ نہ پوچھا۔ چلتے چلتے تھوڑی دیر بعد مجھے ایک قافلہ نظر آیا تو میں نے پوچھا: کیا اس قافلے میں تمہارا کوئی ہے؟ اس نے یہ آیت پڑھ دی:

اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِیۡنَۃُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا (الکھف:46)

ترجمہ: ’’مال اور اولاد دُنیوی زندگی کی زینت ہیں‘‘۔

اس سے میں سمجھ گیا کہ اس کے بیٹے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تمہارے بیٹوں کو پہچانوں گا کیسے؟ ان کے نام کیا کیا ہیں؟ اس نے اس کا جواب بھی قرآن پڑھ کر دیا:

وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبۡرٰہِیۡمَ خَلِیۡلًا (النساء:125)

ترجمہ: ’’اللہ نے ابراہیم کو اپنا خاص دوست بنالیا تھا‘‘۔

وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا (النساء:164)

ترجمہ: ’’اور موسیٰ سے تو اللہ براہِ راست ہم کلام ہوا‘‘۔

یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ (مریم:12)

ترجمہ: ’’(ہم نے یحییٰ علیہ السلام سے کہا کہ) اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو‘‘۔

یعنی ابرہیم، موسیٰ اور یحییٰ بیٹوں کے نام ہیں۔ جب میں نے یہ نام پکارے تو تین جوان میرے سامنے آگئے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ تین چاند آسمان سے اُتر کر میرے سامنے کھڑے ہیں۔ اتنے پیارے چہرے تھے۔ میں نے اس مائی کے بیٹوں سے کہا کہ بھئی! تمہاری والدہ میرے ساتھ ہیں۔ بچے اپنی ماں کے پاس گئے۔ ملاقات ہوئی، ماں خوش ہوگئی، بچے خوش ہوگئے۔ اب ماں نے اپنے بچوں سے قرآن پڑھ کر کہا:

فَابۡعَثُوۡۤا اَحَدَکُمۡ بِوَرِقِکُمۡ ہٰذِہٖۤ اِلَی الۡمَدِیۡنَۃِ فَلۡیَنۡظُرۡ اَیُّہَاۤ اَزۡکٰی طَعَامًا فَلۡیَاۡتِکُمۡ بِرِزۡقٍ مِّنۡہُ (الکھف:19)

ترجمہ: ’’اب اپنے میں سے کسی کو چاندی کا یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو، وہ جا کر دیکھ بھال کرے کہ اس کے کونسے علاقے میں زیادہ پاکیزہ کھانا (مل سکتا) ہے، پھر تمہارے

پاس وہاں سے کچھ کھانے کو لے آئے''۔

یعنی یہ کہا کہ کھانا لگا دو مہمان کے لیے۔ چناں چہ اس کے کہنے پر دستر خوان لگ گیا۔ اب اس مائی نے میری طرف متوجہ ہوئے یہ آیت پڑھی:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ۝ (الحاقۃ:24)

ترجمہ: ''اپنے اُن اَعمال کے صلے میں مزے سے کھاؤ پیو، جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کیے تھے''۔

اب یہ حیران تو تھے ہی۔ چناں چہ انہوں (عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ) نے اس عورت کے بیٹوں سے کہا کہ میں نے تمہارا کھانا نہیں کھانا، اس وقت تک نہیں کھانا جب تک تم مجھے یہ نہ بتا دو کہ یہ عام گفتگو کیوں نہیں کرتیں؟ بیٹوں نے بتایا کہ ہماری والدہ تقریباً بیس سال سے جو بھی بات کرتی ہیں، آیتِ قرآن سے کرتی ہیں۔ صرف اس لیے کہ زبان کا کوئی لفظ، کوئی بول اگر پکڑ میں آ گیا تو اللہ ناراض ہو جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ اس پر میں نے کہا:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۝ (الجمعۃ:4)

ترجمہ: ''یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے''۔

ایسی ایسی عورتیں بھی قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑی ہوں گی کہ بیس سال سے جو گفتگو کی، قرآن سے کی۔ اللہ پاک ہمیں بھی زبان کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

نکاح میں برکات کیسے حاصل کریں؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

(آل عمران: 102)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

دولہا دلہن کو دعاؤں کی ضرورت

یہ ایک شادی کی تقریب ہے تو اِن شاءاللہ شادی کے عنوان سے کچھ مختصر باتیں ہوں گی۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ نکاح مسجد میں ہو، یہ سنت ہے۔ اگر چہ ابھی ہم جہاں بیٹھے

ہیں، یہ مسجد نہیں، مدرسہ ہے، لیکن بہر حال ابھی ہم کسی شادی ہال میں نہیں ہیں۔ اس عاجز کو تجربہ ہوا مسجد میں بھی نکاح پڑھانے کا، مدرسے میں بھی، اپنے گھر پر بھی، اور خانقاہ میں بھی۔ اور بعض مرتبہ شادی ہالوں میں بھی نکاح پڑھایا۔ سب جگہوں کے بعد ایک فرق محسوس ہوا۔ شادی ہال میں جب نکاح ہوتا ہے تو کسی کی بھی توجہ دعا کی طرف نہیں ہوتی، سب اپنی اپنی باتوں میں لگے ہوتے ہیں۔ عورتیں اپنے اپنے فیشن ڈیزائننگ میں لگی ہوتی ہیں، اپنے آپ کو دِکھانے میں لگی ہوتی ہیں۔ اور جو نکاح کے کلمات پڑھے جا رہے ہوتے ہیں، خطبہ پڑھا جا رہا ہوتا ہے، دعائیں دی جا رہی ہوتی ہیں، اس وقت حاضرین اس میں شامل نہیں ہوتے۔

یہ کون سا موقع ہوتا ہے؟ نکاح کا موقع ہوتا ہے۔ دو زندگیوں کے جوڑ اور ملاپ کا موقع ہوتا ہے۔ ایک نئی بنیاد پڑ رہی ہوتی ہے۔ اس وقت اس جوڑے کو دعاؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب شادی ہالوں میں نکاح کیے جاتے ہیں تو یہ نئے جوڑے دعاؤں سے محروم ہوتے ہیں، محروم ہونا تو الگ بات، مزید گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنتوں کے مستحق ہو چکے ہوتے ہیں۔ مرد و زن کا مخلوط ماحول اللہ کی ناراضگی وجہ، تصویریں کھینچنا، ویڈیو بنانا اللہ کی ناراضگی کی وجہ، موسیقی کی آواز سے شیطان کا خوش ہونا اور رحمٰن کا ناراض ہو جانا۔ الغرض کئی قسم کی ایسی چیزیں آ جاتی ہیں جو آنے والی زندگی کو تباہ کر رہی ہوتی ہیں۔ اور جب یہی نکاح مسجد میں ہو تو سبحان اللہ! عین سنت کے مطابق ہے۔ لیکن اگر مدرسے میں بھی ہو رہا ہے تو ایسی محافل میں فرشتے بھی آ جاتے ہیں۔

یہ ایک پوائنٹ ہے اگر کسی کو سمجھ میں آ جائے۔ شادی ہال میں نکاح تو ہو جاتا ہے، لیکن وہ برکتیں ہو ہی نہیں سکتیں جو مسجد میں ہوتی ہیں۔ مسجد کے بعد پھر مدرسہ، خانقاہ

وغیرہ کی برکتیں ہیں۔

رب کو راضی کرنے کی فکر ہو

دوسری بات یہ کہ مجھے بتلائیں کہ یہ شادی خوشی کا موقع ہے یا غم کا موقع؟ بتائیں! یہ شادی خوشی کا موقع ہے۔ اس خوشی کے موقع پر ہماری ترتیب کیا ہوتی ہے؟ خوشی کے موقع پر ہماری ترتیب ہوتی ہے سب خاندان والوں کو منالو، رشتے داروں کو منالو، پھوپی، تایا، چاچا، ماما، جو بھی ہے، کوشش ہوتی ہے کہ سب کو مناؤ۔ کیا اس خوشی کے موقع پہ ہمارے نزدیک اللہ کو اور اس کے نبی ﷺ کو خوش کرنے کی کوئی اہمیت اور ضرورت نہیں ہے؟ کبھی ہم نے سوچا آج تک کہ شادی کا موقع ہے اللہ کو منالو۔ اللہ کے محبوب ﷺ کو منالو۔

موجودہ رسومات کی تباہ کاریاں

کیا ہمارے گھروں میں یہ ذکر آتا ہے یا نہیں آتا؟ آج چند مہینوں بعد طلاقیں ہو رہی ہیں۔ شادی کے موقع پر کون کون سی تیاری ہم نہیں کرتے۔ لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں۔ آج دو آدمیوں نے بتایا ہے حیرت ناک باتیں تھیں۔ ایک نے تو یہ بتایا کہ آج کل کوئی واہیات اور بے غیرتی کی کوئی رسم چل رہی ہے شادی کے اندر۔ پتا نہیں اس کا انہوں نے کیا نام لیا تھا۔ دولہا اور دلہن ہال میں آتے ہیں تو ساتھ میں دلہن کی سہیلیاں اور اس کی کزن لڑکیاں بھی ہوتی ہیں۔ دولہا اکیلا ہوتا ہے۔ پہلے دولہا دولہن کے ساتھ تصویریں کھنچواتا ہے۔ پھر کیک کاٹے جاتے ہیں۔ پھر دولہا دلہن کی سہیلیوں کے ساتھ تصویریں کھنچواتا ہے۔ اور انہوں نے یہ خاص طور سے بتایا کہ اس فنکشن میں پابندی ہوتی ہے کہ گھر کا کوئی بڑا شامل نہیں ہوگا تاکہ بے حیائی کی کوئی کسر کسی وجہ سے رہ

سکتی ہوتو وہ بھی نہ رہے۔اور ہم شیطانیت میں پورے ڈوب جائیں۔

اب نئی زندگی کی بنیاد میں یہ ڈالا جائے گا تو شادی کے بعد سکون کیسے آئے گا؟ وہ طریقہ مجھے بتا دیں۔نئی زندگی کی بنیاد میں دعاؤں کی ضرورت ہے، سنت اعمال کی ضروت ہے، اللہ کی مدد کی ضرورت ہے، اور ہم کیا کر رہے ہیں۔

اسی طرح ایک صاحب نے یہ بتایا کہ فوٹو سیشن بھی ایک بیماری ہے۔ایسا ہوتا ہے کہ پوری ڈیل کی جاتی ہے۔ چار، پانچ قسم کے فوٹو گرافر ہوتے ہیں جنہیں اس موقع پر بلایا جاتا ہے۔ وہ بھی پروفیشنل لوگ ہوتے ہیں۔اب میاں بیوی دونوں کمرے میں تنہا ہوتے ہیں اور چار، پانچ قسم کے یہ پروفیشنل لوگ آجاتے ہیں۔اس کے بعد یہ فوٹو لیتے ہیں اور ہر طرح کا پوز لینے کی کوشش کرتے ہیں۔اب ایمان والے کی غیرت کہاں چلی گئی؟ یہ جو پانچ، چھ فوٹو گرافرز ہیں کیا یہ باحیا ہیں؟ کیا یہ نمازی، متقی، پرہیز گار ہیں؟ کیا یہ جو آپ کی بیوی ہے اس کے سگے بھائی ہیں؟ کس حیثیت سے وہ آئے ہوئے ہیں؟ ہندوانہ رسمیں ہماری شادیوں میں آگئیں، وہ الگ مسئلہ ہے۔ان فوٹو گرافروں سے پورے پیکج کی ڈیل کی جاتی ہے۔شادی کا پیکج بنایا جاتا ہے۔ مالی اعتبار سے کم سے کم پیکج بھی ایک لاکھ کا ہوتا ہے۔اور اس سے زیادہ پانچ لاکھ، سات لاکھ اور دس لاکھ تک کا بھی پیکج ہوتا ہے۔یہ پروفیشنل فوٹو گرافرز پہلے دولہا اور دلہن کے مختلف فوٹو کھینچتے ہیں، اس کے بعد اس میں ایڈیٹنگ کرتے ہیں۔جس طرح کی ڈیمانڈ کی جاتی ہے اس طرح کی وہ بنا کر دیتے ہیں۔

اب شادی کی بنیاد پر رہی ہو، دو خاندانوں کی بنیاد پر رہی ہو، اور وہاں یہ سب کچھ ہو رہا ہو تو بتائیں محبتیں کیسے آئیں گی؟ دونوں میں کس بنیاد پر محبت پیدا ہو گی؟ جس بنیاد پر محبتیں پیدا ہونی تھیں وہ تو نبی کریم ﷺ بتا گئے۔اللہ اکبر کبیرا!

محبت کیسے پیدا ہوتی ہے؟

نبی کریم ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات سے بے پناہ محبت کیا کرتے تھے۔ ایسے ایسے عجیب واقعات ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ یہ محبتیں دلوں میں کون ڈالتا ہے؟ اللہ رب العزت ڈالتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک (انسان کا) دل تو اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، جدھر چاہتے ہیں موڑ دیتے ہیں۔ (سنن ترمذی: رقم 2140)

جو پاک دامن ہوگا، باحیا ہوگا اللہ اس کے دل میں اس کی بیوی کی محبت پیدا کریں گے۔

دیّوث کون شخص ہے؟

ایک لفظ آپ نے سنا ہوگا دیّوث۔ حدیث میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیّوث جنت میں نہیں جائے گا۔ (اتحاف: رقم 4495)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: تین شخصوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کر دیا (یہ تین آدمی جنت میں نہیں جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس بات کو لکھ دیا ہے۔)

1 ۔شراب کا عادی
2 ۔والدین کا نافرمان
3 ۔دیّوث آدمی جو اپنے گھر والوں (بیوی، خادمہ، رشتہ دار) کے بارے میں گندی بات کرتا ہے۔ (مشکاۃ المصابیح: رقم 3655)

بیہقی میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت

کیا کہ آدمیوں میں سے دیّوث کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ اس کی بیوی کے پاس کون آ جا رہا ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی: 10076)

یہ باتیں نبی علیہ السلام نے بتائی ہیں۔ گھر کی باتیں، میاں بیوی کے پردے کی باتیں گھر سے باہر نہیں بتاتے۔ بھئی! جنت کا ٹکٹ میں نے نہیں دینا۔ ہاں! جس سے غلطی ہوئی، اسے احساس ہو گیا ہے تو توبہ کر لے، معافی مانگ لے۔ اللہ بڑے سے بڑے گناہگار کو جنت میں بڑے سے بڑا مقام عطا کر دیں گے۔ اللہ بڑے کریم ہیں۔

اہم نکتہ

اب یہ جو عمل ہے تصویر والا، فوٹو سیشن والا۔ حدیث شریف میں دیّوث کی جو صفت آتی ہے، میرے خیال میں تو پوری بات اس فوٹو سیشن کے کرانے والے پر صادق آتی ہے۔ وضاحت تو اس کی علمائے کرام سے پوچھ لیں، مگر اپنے دلوں کو ٹٹولیں ضرور کہ جس چیز سے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناراضگی، رب کی ناراضگی بتلا کر گئے ہیں۔ اسے کر کے، لوگوں کی چند گھڑی کی واہ واہ لے کر مجھے ملے گا کیا؟ آگ کا عذاب۔ پھر میں ایسے کام کو کروں ہی کیوں جس سے میرا رب ناراض، میرا نبی ناراض، میری آخرت برباد۔ جب شادی کی بنیاد میں ہم نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر لیا، بتائیں! برکتیں کیسے آئیں گی؟

طلاق کی رفتار اور ہمارا المیہ

پرسوں ایک فیملی آ گئی۔ طلاق کا معاملہ شروع ہونے والا تھا اور شادی کو ابھی صرف پانچ مہینے ہوئے تھے۔ آپ اپنے ارد گرد ذرا سا چکر لگائیں یا معلومات لیں۔ آج 2016 کے اندر 3 مہینے، دو مہینے، ایک ہفتہ اور تین دن کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ اور سال دو سال والی تو

اتنی ہیں کہ اَن گنت ہو چکی ہیں۔ انسان گن بھی نہیں سکتا، کاؤنٹ لیس ہو چکی ہیں۔ نہیں تو آپ اپنے ماحول میں چیک کر لیں، اپنے خاندان میں، معاشرے کے اندر دیکھ لیں۔ کراچی جانا ہوا تو کچھ دن پہلے وہاں ایک ساتھی نے مجھے باقاعدہ کہا کہ جی! ہماری برادری میں طلاق کی ریشو اس قدر بڑھ گئی ہے کہ آپ آئیں اور ہمارے لوگوں کو بتائیں۔ پھر حضرت جی کی کتابوں سے باتیں تیار کیں، بیان تیار کیے اور جا کے ان کو بات سنائی۔

ایسا ہمارے یہاں کیوں ہو چکا ہے؟ بات سخت ہے، لیکن حقیقت ہے کہ جب شادی کی بنیاد پڑ رہی ہوتی ہے، اس وقت گویا ہم سنت عمل کو دھکے دے کر نکال رہے ہوتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ کسی اُمتی کے گھر میں نبی کریم ﷺ کی سنت زندہ ہو جائے۔ شادی کے وقت یہ کیسے ممکن ہے؟ کلمہ ہم نبی کریم ﷺ کا پڑھیں، شفاعت ہمیں ان سے چاہیے، لیکن شادی کے موقع پر نبی ﷺ کی سنت ہم نے نہیں پوری کرنی۔ سنت پوری کر دی تو کہتے ہیں کہ ناک کٹ جائے گی۔ شادی اگر سادگی سے ہو جائے تو کہتے ہیں کہ ناک کٹ جائے گی۔ یقین نہ آئے تو کر کے دیکھ لینا، معلوم ہو جائے گا کہ کتنا مشکل ترین کام ہے۔ ہاتھ پہ انگارہ رکھنا آسان ہے۔ نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق آپ ﷺ کے اُمتیوں کا شادی کرنا آج مشکل ہو گیا۔ ایک بات اور سنیے! یہ جلے ہوئے دل کی باتیں ہیں۔ شاید کسی پر اثر کر جائیں۔ نہیں تو چلو اپنے دل کی تسلی ہی سہی۔ یہ نوجوان بیٹھے ہیں، شاید کسی کو خیال آ جائے کہ شادی سنت کے مطابق کریں گے۔

ایک نوجوان کا واقعہ

ایک نوجوان بیعت ہوا۔ اللہ کی شان کچھ دنوں میں نیکی، وتقویٰ کی طرف اس کی طبیعت راغب ہو گئی۔ کچھ مہینے کے بعد کہنے لگا کہ حضرت! میری شادی ہونے والی

ہے۔ میں نے کہا کہ مبارک ہو! پھر میں نے کہا: بیٹا! شادی سنت کے مطابق کرنی ہے۔ کہنے لگا کہ حضرت! میں شادی سنت کے مطابق کروں گا، آپ شادی کی سنتیں بتا دیں۔ اب ہم نے کیا بتانا تھا۔ سیدھا سا جواب دیا کہ نہ مایوں، نہ تیل، نہ مہندی، نہ مکلاوہ، نہ یہ ویڈنگ شوور، اور نہ یہ فوٹوسیشن، نہ کوئی مکس گیدرنگ ہو، میوزک نہ ہو، بینڈ باجے نہ ہو اور کوئی بھی گناہ کا کام نہ ہو۔ مسجد میں نکاح ہو اور صفائی کے ساتھ سارے معاملات طے کیے جائیں جو سنت کے مطابق ہوں۔ بہت حیران ہوا۔ پھر کہنے لگا: حضرت! اگر میں نے ایسا کر دیا تو برادری میں میری ناک کٹ جائے گی۔ دوسرے انداز میں اس کا جملہ سنیں! الفاظ میرے ہیں، لیکن بات اس کی۔ گویا کہ کہہ رہا ہے کہ حضرت! میں نے اگر سنت کے مطابق شادی کر لی تو برادری میں میری ناک کٹ جائے گی۔

مجھے بتائیں! یہ قیامت کے دن کس منہ سے نبی کریم ﷺ کے پاس جائے گا شفاعت لینے؟ اور ہماری اولادیں اگر کر رہی ہیں تو ہم کس منہ سے نبی علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ ہمارے گھروں میں ہماری اولادیں کیا کر رہی ہیں۔ حدیث شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. (سنن ابن ماجہ: رقم 1846)

ترجمہ: ''نکاح کرنا میری سنت ہے، جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ مجھ سے نہیں''۔

میں تو ایسی نسبت میں مرنا چاہتا ہوں، اور قیامت کے دن ایسی نسبت کے ساتھ اللہ کے سامنے کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ اگر میں نے سنت عمل کو سنت طریقے سے پورا نہ کیا، فیشن کی نذر کر دیا، سوسائٹی کی نذر کر دیا تو میرے نبی ﷺ تو اعلانِ براءت کر رہے ہیں، پھر قیامت کے دن مجھے کون پوچھے گا۔

تین محبوب چیزیں اور اس کی حکمت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تمہاری دنیا میں تین چیزیں بہت محبوب ہیں:

1. بیویاں
2. خوشبو
3. اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ (سنن نسائی: رقم 3939)

اب ہم نے تو اتنی بات سن لی، ہم نے اس سے کوئی نتیجہ نکالا نہیں۔ لیکن جن کے دل اللہ سے ملے ہوتے ہیں وہ پھر نتیجہ نکال لیتے ہیں۔

حضرت جی دامت برکاتہم نے آگے کتنی عجیب بات فرمائی۔ فرمایا کہ دیکھیں! ذرا غور کریں کہ انسان جب غسل کر کے نہا دھو لیتا ہے اور پھر خوشبو لگاتا ہے تو جسم معطر ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب میاں بیوی آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو انسان کی سوچ پاک ہو جاتی ہے۔ غلط قسم کے خیالات ختم ہو جاتے ہیں۔ اور تیسری چیز ہے نماز۔ جب انسان صحیح طریقے سے نماز پڑھتا ہے تو دل پاک ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ! ان تینوں چیزوں سے جسم بھی پاک ہو گیا، دل بھی پاک ہو گیا اور بدن بھی پاک ہو گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کیسی مبارک ہے کہ جس سے انسان کا جسم بھی پاک، دماغ بھی پاک، اور دل بھی پاک ہو جاتا ہے۔ اور پاک لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقرۃ: 222)

ترجمہ: ”اور اللہ ان سے محبت رکھتا ہے جو خوب پاک صاف رہیں“۔

اللہ تعالیٰ کی محبت اگر ہم چاہتے ہیں تو پاکی حاصل کرنی پڑے گی۔ ایسے پاکی کسی اور

طریقے سے نہیں مل سکتی۔

نبی کریم ﷺ کی اپنی ازواج سے محبت

نبی کریم ﷺ کو امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شدید محبت تھی۔ اسود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت اُمّ المؤمنین حضرت امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ روزے کی حالت میں بوسہ لیا کرتے تھے، حالاں کہ حضور نبی کریم ﷺ تم سب سے زیادہ اپنی ضرورت پر قدرت رکھتے تھے۔ (صحیح بخاری: رقم 1826)

محبت کی ایک جھلک ہمیں محسوس ہوتی ہے کہ خاص محبت ہے امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کو۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی بیویوں سے شدید محبت کرتے تھے۔ یہ ان کے تقویٰ اور طہارت کی بات تھی۔ علماء فرماتے ہیں کہ جو نوجوان متقی ہوگا، پاک دامن ہوگا، باحیا ہوگا، وہ اپنی بیوی سے محبت کرنے والا ہوگا۔ اور جو اِدھر اُدھر منہ مارنے والا ہوگا اس کو اپنی بیوی سے محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بیوی کے ساتھ محبت کا گہرا ہونا یہ انسان کے کمال کی دلیل ہے۔ تو نبی کریم ﷺ کو اپنی ازواج سے محبت تھی، آپ ﷺ کا یہ کمال تھا۔ اسی طرح عام انسان کا معاملہ بھی ہے کہ جس کے اندر کمال ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بیوی کی محبت عطا فرما دیں گے۔ یہ شریعت تو محبتوں کا پیغام دیتی ہے۔ یہ رشتہ اللہ تعالیٰ کی عجیب رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ دونوں میاں بیوی آپس میں خوب محبت سے رہا کریں۔

میاں بیوی کی تکرار کی وجہ

لیکن جب گناہ کی زندگی شروع ہوتی ہے، وہاں محبتیں کم ہونی شروع ہوجاتی ہیں۔ آج کسی عورت سے پوچھو تو خاوند کے شکوے کرنا شروع ہو جائے گی۔ خاوند دھیان

نہیں دیتا، خاوند وقت نہیں دیتا، گھر میں دلچسپی ہی نہیں لیتا، میں بن سنور کر بیٹھتی ہوں آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا، چہرے پر مسکراہٹ نہیں ہوتی۔ خدا کی بندی! ذرا سوچ تو سہی جو تجھے خاوند سے اتنی شکایتیں ہیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حسن تمہیں دیا ہے، مال تمہیں دیا ہے، بننے سنورنے کی توفیق تمہیں ملتی ہے، پھر تم جو خاوند کی محبت سے محروم ہو، اس کی کیا وجہ ہے؟ کبھی ہم نے اس طرف بھی غور کیا؟ یا صرف میک اَپ ہی محبت کی بنیاد ہوتی ہے؟ یاد رکھیں! میک اَپ محبت کی بنیاد نہیں ہوتی۔ جو عورت پردہ نہیں کرتی، بال کٹواتی ہے، نمازیں چھوڑ دیتی ہے، غیر محرم سے باتیں کرتی ہے، اللہ تعالیٰ محبت کی تجلی اس پر کیسے ڈالیں گے؟ کوئی اگر ہم سے محبت کرتا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت کی تجلی ہم پہ ڈالتے ہیں۔

محبت کی تجلی

ایک نام میں لیتا ہوں فرعون کا۔ کسی کے دل میں محبت آئی؟ اس کے پاس کیا کچھ دنیا نہیں تھی۔ مصر کا بادشاہ تھا، اپنے آپ کو خدا کہتا تھا۔ اس کے نام کو سن کر کسی کے دل میں محبت نہیں آئی۔ کیوں؟ اللہ نے اس پر محبت کی تجلی نہیں ڈالی تھی۔ ایک اور نام لیتا ہوں حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔ اب مجھے بتائیں کون ان سے محبت نہیں کرتا؟ کوئی ایمان والا ایسا ہو سکتا ہے جو ان سے محبت نہ کرے؟ ہو ہی نہیں سکتا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ اب یہ کون ہیں؟ غلام، اور غلام کے بیٹے۔ شکل انوکھی، ہونٹ بھی عجیب سے، حبشی کالا رنگ۔ آج ہم اپنے بیٹے کا نام بلال رکھتے ہیں، اور شوق سے رکھتے ہیں۔ کبھی کسی نے فرعون نام رکھا؟ حالاں کہ ایک امیر آدمی تھا، بڑے اسٹیٹس والا تھا، پورے مصر پر اس کی حکومت تھی۔ جتنا آج بل گیٹس کے پاس پاور ہے، اس سے زیادہ

اس کے پاس تھا۔ لوگ اسے سجدہ کرتے تھے۔ اس نے ہزاروں بچوں کو ذبح کروا دیا تھا کہ جو لڑکا پیدا ہو جائے، اسے ذبح کر دینا۔ کیا آج دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا حکمران یہ آرڈر دینے کے بعد اور ہزاروں بچوں کو اس آرڈر کے ساتھ قتل کروانے کے بعد اپنی حکومت قائم رکھ سکتا ہے؟ جو کام دھڑلے سے اس نے کیا تھا، آج ایسا نہیں ہو سکتا۔ اتنی اسٹیبلشڈ گورنمنٹ تھی اس کی، مذاق نہیں تھا۔ لیکن ہم اس کا نام نہیں رکھتے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس پر محبت کی تجلی نہیں پڑی۔

یہ جو حلال محبت ایک دوسرے سے ہوتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا اثر ہے۔ ہمارے پاس ہماری کون سی صفت ہے۔ جو کچھ ہے اللہ کا دیا ہوا ہے، ہمارا اپنا تو کچھ نہیں۔ تو اللہ کی محبت کی تجلی کب آئے گی؟ کیا جب ہم فیس بک پر گھنٹوں نامحرموں سے باتیں کریں گے؟ اب یہ مرد ہو یا عورت دونوں کے لیے ایک ہی بات ہے۔ اب جو مرد نامحرموں سے تعلقات رکھتا ہے، بات چیت رکھتا ہے، رابطے رکھتا ہے اس کی زندگی میں برکتیں آ ہی نہیں سکتیں۔ گھر میں بیوی موجود ہو گی لیکن وہ بیوی سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ جب انسان اللہ کے حکموں کو توڑے گا، اللہ کی رحمتیں برسنے کے بجائے اس پر لعنتیں برس رہی ہوں گی۔

اب اگر چاہتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی محبت مل جائے۔ خاوند چاہتا ہے کہ بیوی کی محبت ملے۔ بیوی چاہتی ہے کہ خاوند کی محبت ملے تو ایک ہی طریقہ ہے۔ اپنے رب سے محبت کر لو، اپنے رب سے محبت کر لو، اللہ سے محبت کر لو۔ اللہ آپس میں محبتیں پیدا کر دیں گے۔

امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نصیحت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ اُمت کی ماں ہیں،

مجھے کوئی مختصر نصیحت کیجیے۔ امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خط میں نصیحت کی اور کمال کی نصیحت کی۔ فرمایا:

''سلام علیک! سلام کے بعد۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمار ہے تھے: جو دنیا والوں کی ناراضگی کے باوجود اللہ کو راضی کرنے میں لگا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی تکلیفوں سے کافی ہو جاتے ہیں۔ اور جو دنیا والوں کو راضی کرنے کی وجہ سے اللہ کو ناراض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان ہی دنیا والوں کے اسے حوالے کر دیتے ہیں۔ تم پر سلامتی ہو!'' (سنن ترمذی: رقم 2414)

جب ہم اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کو راضی کرنے لگتے ہیں تو مخلوق راضی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے آمین۔

دیکھیں! اتنے ماشاءاللہ لوگ بیٹھیں ہیں۔ دنیا کو سمجھنے والے، سفید داڑھی والے بھی ہیں اور جوان بھی ہیں۔ آج ہم دیکھیں! کیا ہمارے سارے رشتہ دار ہم سے راضی ہیں؟ ہم بھی کوشش کر چکے، ہمارے باپ دادا پردادا بھی کوشش کر چکے، گزشتہ 50 سال سے ہر شادی پر کوشش ہو رہی ہے کہ رشتہ داروں کو منالو۔ آج تک تو نہیں مانے، آخر یہ کب مانیں گے؟ یہ کیا مانیں گے؟ ہم نے تو پروردگار کو منانے کی فکر چھوڑ دی۔ ہم ایک اللہ کو منالیں۔ جس کا رب ہے پھر اس کا سب ہے۔ اللہ تعالیٰ آسانیاں عطا فرما دیں گے۔

مسلمان بے خبر ہوا پڑا ہے

اب آج کی عورت کیا ہے؟ اس کو سنت کا نہیں پتا۔ اس کو رسوم و رواج کا معلوم ہے۔ یہ رسم ہے، یہ رواج ہے۔ سنت کا پوچھو تو نہیں جی! ہمیں کچھ نہیں پتا۔ اس کو انگریز کے،

اور ہندوؤں کے سارے طریقے پتا ہیں۔ اس کو پوچھو امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ کیا ہے؟ امی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ کیا ہے؟ تو چپ۔ طریقہ پتا ہونا تو بڑے دور کی بات، آج کل کے نوجوان سے پوچھیے۔ کسی بھی نوجوان کو کھڑا کر لیں۔ یہ داڑھیوں کے انہوں نے ایسے فیشن بنائے ہوئے ہیں الأمان والحفیظ! عجیب کارٹون نظر آتے ہیں۔ وہ ہمیں کارٹون کہتے ہیں کہ سر پہ پگڑی ہے، چہرہ سنت کے مطابق، ٹخنہ ننگا، یہ کارٹون جا رہا ہے۔ وہ ہمیں کارٹون کہتے ہیں اور ہمیں وہ کارٹون نظر آتے ہیں۔ اپنی اپنی عینک ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ عافیت والا معاملہ فرمائے۔

آج کسی نوجوان سے پوچھو کہ آپ کو دس صحابیات کے نام معلوم ہیں؟ ایک منٹ میں چپ ہو جائے گا، نہیں بتا سکے گا۔ ان سے کہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں تھیں، ہماری مائیں ہیں، اُمہات المؤمنین ہیں۔ ان گیارہ کے گیارہ کے نام بتا سکتے ہو؟ چپ ہو جائے گا۔ اسی نوجوان سے پوچھو کہ کیا آپ دس فاحشہ عورتوں کے نام بتا سکتے ہیں جو بے حیا ہیں؟ کہے گا: امریکا کی بتاؤں، یا ہندوستانی، یا پاکستانی بتاؤں؟ ابھی کی بتاؤں یا دس سال پرانی بتاؤں؟ یا 20 سال پرانی بتاؤں؟ اس کو سب پتا ہوگا۔ اس سے پوچھا جائے کہ عشرہ مبشّرہ کے نام بتا دو۔ صحابہ کرام کے کوئی دس بیس نام بتا دو، تو یہ چپ ہو جائے گا۔ اور اسی سے فلم کے ہیروز کا پوچھ لیا جائے، گانے بجانے والوں کا پوچھ لیا جائے تو یہ فوراً بتانے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ ہماری زندگیوں میں جو آج شادی کے بعد برکتیں ختم ہو گئیں وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہماری زندگی سے حیا ختم ہو گئی۔ دین چلا گیا۔ دنیا میں پُرسکون زندگی گزارنے کا فقط ایک طریقہ ہے، اور اس طریقے کا نام شریعت اور اتباعِ سنت ہے۔

عزمِ مصمّم کر لیجیے

آج دل میں پکا ارادہ کر لیجیے۔ پروردگار! ہم نے آپ کے دین کو کھلونا بنائے رکھا، ہم نے اپنے اعمال کے ساتھ آپ کے دین کا مذاق اُڑایا۔ ہم بڑے فیشن ایبل بن کر زندگی گزارتے رہے۔ اللہ! ہم بھولے رہے۔ اللہ! ہم بھٹکے رہے۔ اے اللہ! ہم نے اس پروردگار سے بے وفائی کی جس نے ہمیں بے حساب نعمتوں سے نوازا۔ میرے مالک! آج کے بعد میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں، توبہ کرتی ہوں۔ اللہ! میں پکا ارادہ کرتا ہوں، پکا ارادہ کرتی ہوں کہ آج کے بعد آپ کی فرماں برداری کی زندگی ہوگی، نماز کی زندگی ہوگی، پردے کی زندگی ہوگی، پاکدامنی کی زندگی ہوگی، سچ کی زندگی ہوگی۔ ہم غیر محرم سے آپ کو بچ کے دکھائیں گے۔ ہم پرہیزگار بن کے دکھائیں گے۔ اللہ! ہمیں حیاتِ طیبہ عطا کر دیجیے۔ اللہ تعالیٰ! ہمیں گناہوں سے بچ کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

دولہا اور دلہن کے لیے نصیحت

حیاتِ طیبہ کی ابتدا واقعتاً شادی سے ہی ہوتی ہے۔ یہ جو موقع ہوتا ہے دو لوگوں کی زندگیاں جڑنے والی ہوتی ہیں۔ ان کو دعاؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دعاؤں کے ساتھ ان کو رخصت کریں۔ اور اِن کو بھی چاہیے کہ نیکی تقویٰ کو اپنی زندگی کا شعار بنائیں۔ کوشش کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ شادی کے بعد عافیت کے ساتھ ان کو خیر سے نیک نرینہ اولاد عطا فرمائے۔ اپنی اولاد کو بھی شریعت و سنت کے مطابق لے کر چلیں۔ آج کل ہمارے جو اسکولز، کالجز اور یونیورسٹیز ہیں، یہ درس گاہیں معاذ اللہ! رقص گاہوں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ اور وہاں سے جو لوگ نکل رہے ہیں، تو کوئی ڈانسر ہے، کوئی ایکٹر

ہے، کوئی فلاں ہے تو کوئی فلاں ہے۔ اس نکتہ پر پرسوں بھی بات ہوئی کہ ہم اپنے بچوں کو دیکھیں کہاں بھیج رہے ہیں۔ ان کے اسکول کو ٹھیک کریں۔ کہاں میوزک ہے؟ کہاں تصویر ہے، اس سے اپنے آپ کو بچائیں۔ تصویر کا نام آ گیا تو ایک بات کر کے بات مکمل کرتا ہوں۔

تصویر اور رحمت کے فرشتے

صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ گھر میں داخل ہونے لگے تو آپ دہلیز پر رک گئے۔ سامنے دروازے کے پردے پر ایک تصویر نظر آئی۔ رک گئے، اندر ہی نہیں گئے۔ امی عائشہ رضی اللہ عنہا خود بھی پریشان ہو گئیں اور اللہ کے نبی ﷺ کے چہرہ اقدس میں ناپسندیدگی کے آثار محسوس کر لیے۔ پھر آپ ﷺ نے اس پردے کو پھاڑ دیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا ہے کہ ہم پتھروں اور مٹی کی دیواروں پر (تصویروالی) چادر ڈالیں۔ (صحیح مسلم: رقم 2106)

اور بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر اور کتا ہو۔ (صحیح بخاری: رقم 5615)

ایسے گھروں میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ آج ہم نے اپنے گھروں کو، دیواروں کو تصویروں سے سجایا ہوا ہے۔ گویا ہم کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ! تیری رحمت سے ہمیں کوئی تعلق نہیں چاہیے۔ العیاذ باللہ! اپنے عمل سے تو ہم یہ ہی کہہ رہے ہیں۔ دیکھیں! ہماری آنکھ کا دیکھا تو غلط ہو سکتا ہے، آقا کی زبان سے نکلا ہوا لفظ غلط نہیں ہو سکتا۔ جب دوٹوک انداز میں بتا دیا تو اب اس کی مزید تشریح کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔

حدیث میں دو باتیں ہیں، اس پر ایک واقعہ

ایک واقعہ کئی دفعہ سنا چکا ہوں۔ ابھی کچھ نئے لوگ ہیں، اس لیے دوبارہ سناتا ہوں۔ یہاں قریب ایک جگہ دعوت تھی۔ کھانے کے بعد واپسی میں ہم نے سوچا کہ پیدل ہی جاتے ہیں، کھانا بھی خوب کھایا ہے تو واک بھی ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر ہم چند ساتھی چلنے لگے۔ راستے میں ایک گھر سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ تو میں نے ایک نوجوان سے جو ہمارے ساتھ تھا، اس سے پوچھا۔ میں نے کہا کہ بیٹا! یہ آپ کو کتے کے بھونکنے کی آواز آئی ہے تو کیسا لگا؟ اچھا لگا یا برا لگا؟ کہا: حضرت! بڑا برا لگا۔ کتا نجس جانور ہے، ناپاک ہے۔ اور حضرت! آپ کو پتا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے جس گھر میں کتا ہو، وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ اس نے یہ حدیث پڑھ دی۔ مولوی کو دیکھ کر مولوی والی باتیں کرنی تھیں۔ بندہ دیکھ کر ہمارا طرز بدل جاتا ہے۔ اب بہر حال کتے سے اسے کراہت محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے کہا: اچھا! یہ حدیث جو آپ نے پڑھی، کیا پوری آپ کو معلوم ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ پوری حدیث میں آپ کو سناتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ حضرت جبریل امین علیہ السلام کی بات نقل فرماتے ہیں: جس گھر میں تصویر ہو یا کتا ہو، فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ حدیث شریف میں دونوں چیزوں کو بتایا ہے تصویر کو بھی اور کتے کو بھی۔ یہ دونوں چیزیں رحمت کے فرشتوں کے داخل ہونے کے لیے رکاوٹ ہیں۔

پھر میں نے کہا: ایک بات میں اور پوچھوں؟ کہنے لگا: جی! میں نے کہا! بھئی بتاؤ! آپ کو کتے سے اتنی کراہت محسوس ہو رہی ہے کہ گھر میں چلتے ہوئے برابر سے کتے کی

آواز آ گئی تو آپ کو اچھا نہیں لگ رہا، لیکن اپنے گھر میں اور موبائل میں آپ نے تصویریں بھری ہوئی ہیں، یہ کیا بات ہے؟ نبی کریم ﷺ نے تو ایک حدیث میں دونوں کو منع کیا ہے کہ جس گھر میں کتا ہو اور جس گھر میں تصویر ہو رحمت کے فرشتے اس میں نہیں آتے۔ آپ کتا تو نہیں رکھتے کہ حدیث میں آ گیا۔ تصویر کس دلیل سے رکھتے ہیں؟ اگر حدیث کا ریفرنس دے رہے ہیں تو حدیث میں تو دونوں باتیں ہیں۔ ایک کے لیے تو آپ دل میں کراہت محسوس کریں، اور دوسرے کے لیے نہیں۔ بتایئے! تصویر کس دلیل سے رکھ لیتے ہیں؟

لوگوں کا غلط حیلہ

اچھا! بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے موبائل میں تصویر ہوتی ہے۔ اس پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ جی! یہ تصویر نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے، ویسا نہیں ہے۔ دیکھیں! میں فقہی مباحث میں نہیں جاتا، وہ بڑے علماء ومفتی حضرات کا کام ہے۔ نہ میں عالم ہوں، نہ میں مفتی ہوں۔ میں تو بڑوں کی باتیں، اپنے شیخ کی باتیں سن کے سنا دیتا ہوں، بس اتنا ہی میرا کام ہے۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں آتا۔ دیکھیں! اب موبائل پر جو تصویر آ گئی، آپ بالفرض کہتے ہیں کہ جی! یہ تصویر کے حکم میں نہیں ہے۔ بول اسے تصویر رہے ہیں، لکھ اس کو پکچر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مجھے اپنی تصویر بھیجو۔ بول بھی تصویر رہے ہیں، لکھ بھی تصویر رہے ہیں، پھر بھی کہتے ہیں: ہم اسے تصویر نہیں مانتے۔ سبحان اللہ! اچھا جی، نہیں مانتے۔ ایک بات بتائیں! اگر سامنے کسی نامحرم مرد کی تصویر ہے تو وہ نامحرم ہوگا یا نہیں؟ کسی عورت کے لیے کسی مرد کو جو سامنے نہیں، موبائل کی اسکرین پہ ہے، دیکھنا کیسے جائز

ہو جائے گا۔ جیسے ہم مرد یہاں بیٹھے ہیں ہمارے لیے قرآن کے حکم کے مطابق نامحرم کو دیکھنا منع ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور:30)

ترجمہ: ''مؤمن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں''۔

قرآن کریم میں یہ واضح حکم ہے۔ اور اس سے اگلی آیت میں عورتوں کو بھی نگاہیں جھکانے کا حکم ہے۔ اسی طرح حدیث میں بھی وضاحت کے ساتھ آیا ہے کہ جس نے کسی اجنبیہ کے حسن کی طرف شہوت کی نگاہ ڈالی، اس کی آنکھوں میں گرم سیسہ پگھلا کے ڈالا جائے گا۔ (نصب الرّاية في تخريج أحاديث الهداية: كتاب الكراهية، فصل في الوطء والنظر واللمس)

سوچیں! جس چیز کو سامنے دیکھنا جائز نہیں، اسکرین پر دیکھنا کیسے جائز ہو جائے گا؟ اس کی بھی کوئی دلیل لائیں۔ ہم بول تصویر رہے ہیں، لکھ تصویر رہے ہیں۔ فرینڈ کو میسج کرتے ہیں اپنی پک بھیجو، اپنی تصویر بھیجو۔ میں نے اپنی تصویر اَپلوڈ کر دی۔ بول اور لکھ تصویر رہے ہیں اور کہتے ہیں تصویر کے حکم میں نہیں ہے۔ یہ حیلہ آپ کی سمجھ میں آتا ہوگا، ابھی تک ہمیں سمجھ میں نہیں آیا۔

سکون کیسے جاتا ہے؟

بہرحال اگر اچھی ازدواجی زندگی گزارنا چاہتا ہیں تو حیا کی زندگی گزارنا پڑے گی۔ ورنہ زندگی میں برکتیں نہیں آئیں گی۔ اور شادی کی جب ابتدا ہو رہی ہو، اس ابتدا میں اگر ہم نے اپنی شادیوں میں سے ان بے حیائی والی اور غیروں کی، ہندوؤں والی اور دوسرے لوگوں کی ان غلط رسومات کو نہ نکالا تو بنیاد کے اندر جب ہم نے خراب چیز ڈال

دی تو اس شادی میں میاں بیوی کو ایک دوسرے سے سکون نہیں مل سکتا۔ ہم ابتدا سے ہی ایسے اعمال اختیار کرتے ہیں کہ سکون تو فوراً ہی چلا جائے۔

یہ چند باتیں تھیں جو دل کی تھیں۔ اللہ کرے کہ کسی کو سمجھ میں آجائے۔ اور اللہ کرے کہ نوجوان ان باتوں کو سمجھ کے ارادہ کرلیں کہ میں اپنی شادی سنت کے مطابق کروں گا۔

مہر کی ادائیگی

اچھا! اب مہر کی کچھ بات کرتے ہیں۔ اگر کسی نے شادی کی اور یہ ارادہ کیا کہ میں مہر ادا نہیں کروں گا، تو قیامت کے دن زانی بن کر اللہ کے سامنے کھڑا ہوگا۔

(معجم صغیر للطبرانی: رقم 98)

بہت سارے لوگوں کو ہم نے دیکھا ہے زندگی بھر مہر نہیں دیتے۔ جب بیوی مر جاتی ہے تو اس کے میکے میں بھجوا دیتے ہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ یہ اس کا حق ہے۔ اور جو سنت ہے وہ پہلی ملاقات سے پہلے دینا ہے۔ عندالطلب دے سکتے ہیں، گنجائش ہے۔ لیکن میں صرف آپ کی بات نہیں کر رہا، معاشرے کا مسئلہ ہے۔ اچھا! عورتیں محسوس کرتی ہیں لیکن مانگتی نہیں ہیں شرم کی وجہ سے۔ ان کا مانگنا بھی ٹھیک ہے، کوئی بری بات نہیں۔ بہرحال وہ مانگیں یا نہ مانگیں، مرد کو دینا ضروری ہے، ورنہ مرد (شوہر) مقروض رہے گا۔ مر گیا تو بھی اس پر قرضہ ہوگا جو اس کے مال سے ادا کیا جائے گا۔ انسان اپنے آپ کو فارغ کرے، اس حق سے بریٔ الذمہ کرے۔

زندگی کا رخ ٹھیک کیجیے

یہ جتنی بھی آج باتیں ہوئی ہیں، یہ معاشرے کی چند باتیں تھیں۔ ان کو سمجھنا ہے اور ان کو آگے کسی کو بھی بتانا ہے۔ کسی ایک آدمی کو بھی توفیق مل گئی تو آسانی ہوجائے گی، ورنہ

آئندہ جو آنے والی ہماری نسل ہے، یا آج کی جو نوجوان نسل ہے یہ اپنے والدین کو رلاتی ہے اور ہر جگہ حرام تعلقات قائم رکھتی ہے۔ ان کے لیے اُولڈ ہاؤس جگہ جگہ بنیں گے۔ ان کی اولاد جب جوان ہوگی تو یہ بڑھاپا اپنے گھروں میں نہیں گزاریں گے، دھکے کھائیں گے اولڈ ہاؤس میں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہم انگریزوں کے طریقے پر چل رہے ہیں، وہاں اولڈ ہاؤس آباد ہیں، وہاں ماں باپ کی عزت کم ہے، پالے ہوئے کتے کی عزت زیادہ ہے۔ یہی ان کی عدالتوں کے فیصلے ہیں۔

فرنگی فیصلہ

باہر کسی فرنگی ملک میں ایک ماں نے عدالت میں کیس کر دیا کہ میرا بیٹا مجھے ٹائم نہیں دیتا۔ عدالت میں کیس پروسیڈ ہوا، ساری بات چلی اور آخر میں عدالت نے فیصلہ دیا کہ تمہارا بیٹا اٹھارہ سال سے بڑا ہو چکا ہے۔ ماں نے یہ کہا تھا کہ کتے کو ٹائم دیتا ہے، مجھے ٹائم نہیں دیتا۔ عدالت اس کو کہے، حکم دے کہ پانچ منٹ روز مجھے دے دیا کرے۔ تو فیصلہ عدالت نے کیا دیا؟ جوڑا کومینٹڈ اُن کے ہاں آچکا ہے، یہ کہا کہ یہ اٹھارہ سال سے زیادہ ہو چکا ہے اور تمہاری بات ماننے کا مجاز نہیں۔ اور تم کہاں رہنا چاہتی ہو، تمہارے لیے اولڈ ہاؤس موجود ہیں وہاں جا کر زندگی گزارو۔ رہا کتا، وہ اس کی ذمہ داری ہے، اس کی ڈیوٹی ہے کہ وہ اس کا خیال رکھے۔

میرے بھائیو! جس معاشرے میں کتے کی قیمت ماں سے زیادہ ہو، ہم اسی کے پیچھے چل رہے ہیں۔ 30، 40 سال بعد یہی نوجوان جو آج راتیں اور دن نامحرموں کے ساتھ گزارتے ہیں، ان کو پتا ہی نہیں اور ان کا بڑھاپا اولڈ ہاؤس میں ہوگا۔ اور ان کے بچے ان سے زیادہ جانوروں کو قیمت دے رہے ہوں گے۔ یہ مجھے کوئی اِلہام نہیں ہوا۔

صرف اُن طریقوں کو دیکھ لیجیے جس پر ہم چل رہے ہیں۔ اگر سنت کے طریقے پر ہوتے تو سنت والی بات ہوتی کہ عروج ملتا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.



ماہ محرّم پارٹ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ

(التوبة:36)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٥

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

عبادت میں زیادہ کوشش کریں

گزشتہ باتوں سے معلوم ہوا کہ محرّم کی اہمیت اور احترام شروع سے چلا آ رہا ہے۔

ان فضائل کا تقاضا یہ ہے کہ اس مہینے میں ہم عبادت میں اپنے آپ کو زیادہ لگانے کی فکر کریں۔ اور زیادہ سے زیادہ محنت کریں۔ محرّم الحرام کا پورا مہینہ رمضان کے بعد عبادات کے اعتبار سے بہت بابرکت مہینہ ہے۔ اس لیے ہمیں اس میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔ وقت کا پہیہ تیزی سے گزرتا چلا جارہا ہے۔ کامیاب انسان وہ ہے جو اپنے وقت سے فائدہ اٹھالے۔

یومِ عاشوراء کی تعظیم

اب ہم دس محرّم کے دن کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجیے کہ دس محرّم کی فضیلت اپنی جگہ بہت زیادہ ہے اور اس کا نام عرفِ عام میں عاشوراء ہے۔ اس دن کے بارے میں جو مختلف باتیں ہمیں ملتی ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ ربّ العزّت نے فرعون سے نجات دی تھی، فرعون اس دن غرق ہو گیا تھا۔ یہودی، عیسائی اور مشرکینِ مکہ یہ تینوں مذاہب والے اس دن یعنی دس محرّم کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن خود بھی روزہ رکھتے اور دوسروں کو اس کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں دس محرّم کو غلافِ کعبہ تبدیل کیا جاتا تھا۔ گویا اس دن کی عظمت مشرکینِ مکہ کے ہاں پہلے سے موجود تھی۔ اسی طرح رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے دس محرّم کا روزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں بھی فرض تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت سے قبل مکہ مکرّمہ میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ اِن شاء اللہ آگے تفصیل سے اس پر بات ہوگی۔

بعض مؤرّخین نے اس دن کے حوالے سے کچھ اور تاریخی واقعات بھی نقل فرمائے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دس محرّم کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ حضرت

نوح علیہ السلام کی کشتی جس دن ساحل پر آئی، اس دن بھی دس محرّم تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت جس دن ہوئی، وہ دس محرّم کا دن تھا۔ جس دن ان کو آسمانوں پر اٹھایا گیا، وہ بھی دس محرّم کا دن تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو جس دن مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی، وہ بھی دس محرّم کا دن تھا۔ اور اسی دن ان کی قوم کا قصور معاف ہوا تھا۔ اور دس محرّم کے دن ہی حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے نکالے گئے، جس کنویں میں ان کو ان کے بھائیوں نے ڈال دیا تھا۔ دس محرّم کے دن ہی حضرت ایوب علیہ السلام کو صحت عطا ہوئی۔ اور دس محرّم کے روز ہی حضرت اِدریس علیہ السلام آسمانوں پر اٹھائے گئے۔ اور یہ بھی تاریخ کی کتابوں میں مؤرّخین نے لکھا ہے کہ دس محرّم کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اور دس محرّم ہی کے دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت ملی۔

عظمتِ عاشوراء واقعہ کربلا سے نہیں

ایک اور بات یہاں پر قابلِ غور ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرّمہ میں دس محرّم کا روزہ رکھتے تھے، اس وقت تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی، تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ جاننا چاہیے کہ دس محرّم کی حرمت کا معاملہ فقط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس دن کی حرمت اور عزّت تو پہلے سے چلی آرہی ہے۔ اس دن کا احترام، اور اہمیت تو پچھلی امتوں سے ثابت ہے، اس لیے اس دن کو فقط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے منسوب کردینا غلط ہے۔ دیکھیں! میں اس واقعے کی کسی بات کی تردید نہیں کررہا۔ یقیناً ان کی شہادت کا بہت بڑا رُتبہ ہے اور اُن کی بڑی عظیم قربانی ہے۔ وہ سب کچھ اپنی جگہ ہے، لیکن باقی ساری باتوں اور شریعت کو چھوڑ صرف اسی واقعے کو سامنے رکھنا اور ساری شریعت اور باتوں کو چھوڑ دینا بڑی لاعلمی کی بات ہے۔

مروّجہ ناواقفیت والے کام

اب ہمارے ہاں دس محرّم کو آپ جانتے ہی ہیں کہ کیا ہوتا ہے؟ کہیں کھچڑا بنتا ہے، کہیں حلیم بنتی ہے، اور کہیں کھیر بنتی ہے۔ بھائیو! آپ کا دل ہے آپ جو چاہیں بنائیں، مگر یہ چیزیں مخصوص کر دینا کہ اس دن یہی بنانا ہے تو یہ ایک عجیب سی بات ہے۔ اور شرعی نکتہ نظر سے عقیدتاً اسے کرنا بدعت ہے۔ ہمارے ہاں تو ایک اور بھی عجیب سی رسم ہے کہ شادی کے بعد جو پہلی محرّم آتی ہے، تو بیوی کو اس کے ماں کے ہاں چھوڑ آتے ہیں۔ یہ سب باتیں جہالت کی، اور دین سے ناواقفیت کی وجہ سے ہیں۔ ان باتوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے علاوہ اس دن روٹیاں پکا کر پھینکنا بہت بری بات ہے۔ یاد رکھیے! روٹیاں تو احترام کرنے کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق ہے۔ اس کی بے حرمتی کر کے پھینکنا انتہائی گناہ کا کام ہے۔

دسویں محرّم کو روزہ رکھنا

اس کے برعکس ہمیں چاہیے کہ ہم دس محرّم کے دن ان چیزوں اور باتوں کو اختیار کریں جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اختیار کیں۔

1 حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنوں میں سے عاشوراء اور مہینوں میں سے ماہِ رمضان کے روزوں سے زیادہ کسی دن یا مہینے کے روزے رکھنے کا اہتمام کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (صحیح بخاری: رقم 1867)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان ایام کے روزے انتہائی اہتمام سے رکھتے تھے، ان کے علاوہ روزے کا اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنا نہیں کیا۔

2 ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:

صِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهُ.

(صحیح مسلم: رقم 1162)

ترجمہ: ’’دسویں محرّم کے روزے کے بارے میں میں اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتا ہوں کہ ایک سال پہلے کے گناہوں کا کفارہ بنا دے‘‘۔

یعنی دس محرّم کو روزہ رکھنے سے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ علمائے کرام لکھتے ہیں کہ دس محرّم کا روزہ رکھنے سے جو پچھلے ایک سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے، اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، وہ اس روزے کی برکت سے معاف ہو جائیں گے۔ میرے بھائیو! اگر ہمارے صغیرہ گناہ بھی معاف ہو جائیں تو یہ ہمارے لیے بہت سعادت کی بات ہے۔

کبائر کی معافی

کبیرہ گناہ کے معاف کرانے کے لیے تین شرائط ہیں:

1. بندے کو اپنے گناہوں پر، اور اپنی زندگی کی گزشتہ خطاؤں اور لغزشوں پر شرمندگی اور ندامت ہو۔ یہ اوّل شرط ہے۔
2. گناہگار آدمی اس گناہ سے ہمیشہ کے لیے ہٹ جائے اور اسے چھوڑ دے۔
3. آیندہ اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے۔

کبیرہ گناہ کی معافی کے لیے تین بنیادی شرائط ہیں۔ اگر توبہ کے بعد انجانے میں پھر گناہ ہو جائے تو پریشان نہ ہوں، ان شرائط کے ساتھ پھر توبہ کر لیں۔ شیطان اکثر یہاں پر گڑبڑ ڈال دیتا ہے اور اللہ پاک سے نا اُمیدی اور مایوسی ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

روزے میں اِفراط وتفریط سے بچنا

ہمارے ہاں بعض حضرات تو ایسے ہیں کہ اس روزے کو اتنی زیادہ فضیلت دے

دیتے ہیں کہ اپنی نمازیں بھی قضا کر دیتے ہیں۔ اور گناہوں سے بچنے کا بھی کوئی اہتمام نہیں کرتے۔ جبکہ بعض حضرات مطلقاً اس روزے کا انکار کرتے ہیں، اور بعض دس محرّم کے حوالے سے عجیب عجیب بدعات کا شکار ہیں۔ آیئے! ان باتوں کو ذرا تفصیل سے سن لیجیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد مبارک ہے: آج عاشوراء یعنی دس محرّم کا دن ہے، اور تم پر اس دن کا روزہ فرض نہیں کیا گیا، لیکن میں روزے سے ہوں۔ پس تم میں سے جو اس دن کا روزہ رکھنا پسند کرے اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھ لے، اور جو نہ رکھنا چاہے تو اسے نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ (صحیح مسلم: رقم1916)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کو دسویں محرّم کا روزہ رکھتے دیکھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اس دن کی تمہارے پاس کیا خصوصیت اور احترام ہے کہ تم اس دن کا روزہ رکھتے ہو؟ یہودیوں نے جواب دیا کہ یہ بڑا عظیم دن ہے کہ اس دن اللہ ربّ العزّت نے موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی تھی اور فرعون کو اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا تھا۔ چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر روزہ رکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بات سن کر ارشاد فرمایا: میں تمہاری نسبت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب ہوں، (کیوں کہ تم تو ان کے لائے ہوئے احکامات اور شریعت کو بدل چکے ہو، تو ہم زیادہ حقدار ہیں کہ ہم اس دن کا روزہ رکھیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی دسویں محرّم کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔ (صحیح بخاری: رقم3216)

قبیلہ قریش کے لوگ زمانۂ جاہلیت میں عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یومِ عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی

توخود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رکھنے کا حکم دیا۔ پھر جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دسویں محرّم کے روزے کی فرضیت کی منسوخی کا اعلان فرمادیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی عاشوراء کے دن روزہ رکھنا چاہے تو رکھ لے، نہ رکھنا چاہے تو اس پر کوئی ملامت نہیں۔ (صحیح بخاری: رقم 1794، صحیح مسلم: رقم 1125)

غیروں کی مشابہت ترک کرنا ضروری ہے

اچھا! جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس محرّم کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا حکم دیا۔ یہ وہ صحابہ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحبت یافتہ تھے اور شریعت کے مزاج کو بھرپور طریقے سے جاننے والے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! یہ ایسا دن ہے کہ یہود و نصاریٰ اس دن کی تعظیم کرتے ہیں اور اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ اگر ہم بھی اس دن کا روزہ رکھیں گے تو یہ ان لوگوں کے ساتھ موافقت اور مشابہت ہو جائے گی، حالاں کہ ہم مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ میں تو بڑا فرق ہے۔ ان کی بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آیندہ سال اِن شاء اللہ ہم دسویں محرّم کے ساتھ نویں محرّم کو ملائیں گے۔ اور اگلا سال آنے سے قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ (صحیح مسلم: رقم 1916)

مسندِ احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ دسویں محرّم کا روزہ رکھو تو اس میں یہود کی مخالفت کرو، دسویں محرّم کے ساتھ یا نویں محرّم کا روزہ ملا لو، یا گیارہویں محرّم کے روزے کو ملا لو۔ (مسند احمد: رقم 2155)

اب ذرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات ''یہود کی مخالفت کرو'' پر بھی غور فرمالیجیے۔ روزہ رکھنا ایک عبادت ہے اور دسویں محرّم کا روزہ تو پہلے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا۔ لیکن

جب مدینہ طیبہ میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور یہ معلوم ہوا کہ یہود بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے روزہ رکھنے کا حکم تو دیا، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہودیوں کی مخالفت کا بھی حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ اسلام کی غیرت یہ بات برداشت ہی نہیں کرتی کہ اللہ کو ایک ماننے والا اور کلمہ پڑھنے والا، رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی ماننے والا کسی غیر کے طریقے پر کیسے چل سکتا ہے؟ یہ کام اسلام کی غیرت اور حمیت برداشت نہیں کرتی۔

نبی کریم ﷺ نے صرف اسی موقع پر نہیں، اور بھی کئی مواقع پر ارشاد فرمایا کہ یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرو۔ اس بارے میں آپ کو مزید تفصیلات ہماری کتاب "گلدستہ سنت" جلد 2 سے مل جائیں گی۔ چند باتیں ابھی بتلائے دیتا ہوں، باقی وہاں سے دیکھ لیجیے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے آمین۔

مشابہت کی ممانعت پر احادیثِ مبارکہ

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اہلِ کتاب پاجامہ تو پہنتے ہیں، لیکن لنگی نہیں پہنتے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم پاجامہ بھی پہنو اور لنگی بھی باندھو، اور اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔ (مسند احمد: رقم 21695)

اسی طرح کی ایک روایت میں یہ بھی فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے، جس قدر ہو سکے شیطان کے دوستوں کی مخالفت کرو۔ (معجم اوسط للطبرانی: رقم 4254)

معلوم ہوا کہ یہ جو کفار ہیں یہ شیطان کے دوست ہیں، ان جیسا ہرگز نہیں بننا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی وہ اسی میں سے ہوگا۔ (سنن ابی داؤد: رقم 3401)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ظاہری کاموں

میں، اور ظاہری لباس وغیرہ میں کفار کی مخالفت سے بچنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب اسلامی عظیم فتوحات کا دروازہ کھلا اور بہت ساری مختلف قومیں مسلمان ہونے لگیں تو دین کے اجزا کے خلط ملط ہونے کا اندیشہ ہوا کہ مسلمان غیروں کے رسوم ورواج کو اپنانے نہ لگ جائیں۔ جیسے آج کل کے دور میں ہندوستان اور پاکستان کے شہروں میں مسلمانوں کی شادیوں میں ہندوؤں کی بہت ساری باتیں شامل ہوتی ہیں۔ آپ سعودی عرب میں مسلمانوں کی شادیوں میں چلے جائیں، وہاں پر الحمدللہ! آپ کو یہ چیزیں نظر نہیں آئیں گی۔ جیسے اُبٹن لگانا، مہندی لگانا وغیرہ۔ مجھے تو سارے نام یاد نہیں ہے۔ بہرحال اس دور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی خطرہ لاحق ہوا کہ عجم سے مختلف قومیں اسلام میں داخل رہی ہیں تو ان کے اپنے طور طریقے ہیں اور عربوں کے اپنے طور طریقے ہیں، تو کہیں دینِ اسلام میں قوموں کی تہذیب کی دخل اندازی نہ ہوجائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو فاروقِ اعظم تھے۔ حق اور باطل میں فرق کر دینے والے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے متعلق فرماتے تھے کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔

(سنن ترمذی: رقم 3686)

اور فرمایا کہ عمر کی زبان اور دل پر حق بولتا ہے۔ (سنن ترمذی: رقم 3682)

یہ بھی فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے جس راستے پر عمر چلتا ہے، شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ (صحیح بخاری: رقم 3294، صحیح مسلم: رقم 2396)

اس عظیم ہستی نے جب عجمیوں کے حالات کو پرکھا تو پھر دو احکامات جاری فرمائے۔ اور تمام خلافتِ اسلامیہ کے ماتحت علاقوں میں اس کو نافذ فرما دیا۔ ایک والا نامہ مسلمانوں کی طرف بھیجا اور ایک خط ذمی کافروں کی طرف بھیجا۔ مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ

دیکھو! تم نے کافروں کے طریقوں پر نہیں رہنا، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے طریقوں کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔ اے مسلمانو! اِزار اور چادر کا استعمال کرو یعنی لنگی بھی کبھی پہن لیا کرو، اور جوتے پہنو۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لباس کو لازم پکڑو، اور عجمیوں کے لباس اور اُن کی وضع قطع سے دور رہو۔ (صحیح ابن حبان: رقم 5454)

اور غیر مسلموں سے کہا کہ تم اپنے طریقوں پر رہو، ہمارے طریقوں کو اختیار نہ کرو تا کہ ہم اور تم الگ الگ ہی رہیں۔

ایک جگہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹواؤ۔ (صحیح بخاری: رقم 5553)

بعض اہلِ کتاب جب روزہ رکھتے تو سحری نہیں کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزے کے درمیان سحری کھانے کا فرق ہے (کہ سحری نہیں کرتے)۔ (صحیح مسلم: رقم 1096)

طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے وقت عبادت کرنے سے منع فرمایا کہ بہت ساری قومیں ان موقعوں پر سورج کی عبادت کر رہی ہوتی ہیں۔ (صحیح بخاری: رقم 581)

یعنی ہر جگہ نبی کریم ﷺ کی یہ کوشش رہی کہ مسلمان اپنے بلند مقام اور تشخّص کو باقی رکھیں اور کسی طریقے سے بھی غیروں کے طریقے پر فریفتہ نہ ہوں۔ اس لیے مشابہت بالکفار سے بچنا بے حد ضروری ہے۔ اور یہ تو اللہ ربّ العزّت کی غیرت کا معاملہ ہے کہ اس کے بتائے ہوئے دین کو چھوڑ کر غیروں کی اتباع کی جائے۔

اگر دوست دشمن کے رُوپ میں ہو۔۔۔

ایک آسان سا سوال آپ سے پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی پاکستانی فوج کا جوان انڈین

فوجی کے لباس میں آجائے تو آپ لوگ اس جوان کو محبت کی نگاہ سے دیکھیں گے یا غصے کی نگاہ سے دیکھیں گے؟ ظاہری بات ہے کہ غصے سے دیکھیں گے۔ کیوں بھئی؟ اگر میں کہوں کہ لباس سے کیا ہوتا ہے؟ اگر وہ نوجوان فوجی لاکھ قسمیں کھائے اور کلمہ پڑھے کہ میں پاکستان سے محبت کرتا ہوں اور پاکستان کے آئین کی پوری لاج رکھوں گا اور پاکستان کے لیے اپنی جان بھی دے سکتا ہوں اور اندر سے میں پورا پاکستانی ہوں، مگر میرا لباس بس انڈین فوجی والا ہے تو کیا ہوا؟ کیا آپ لوگ اس بندے کی کوئی بات مانیں گے؟ نہیں مانیں گے، کیوں کہ وہ دشمن کے روپ میں نظر آرہا ہے۔

سمجھنے کی بات

اب اسی مثال سے بتائیے کہ کیا مسلمان کا اپنا تشخص اور اپنی پہچان نہیں ہے؟ پھر کیوں ہم غیروں کے لباس اور اَطوار کو اختیار کرتے ہیں۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے لباس کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں، کیوں کہ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ہمیشہ یہود و نصاریٰ کی مشابہت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ قیامت کے دن جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شکل دکھانی ہے تو پھر کب تک ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو یونہی پسِ پشت ڈالتے رہیں گے۔ شفاعت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کروانی ہے، تو پھر کون سے لباس اور کس چہرے کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوں گے؟ انتہائی افسوس کہہ رہا ہوں کہ آج جس راستے پر ہم چل رہے ہیں، آیندہ 20,15 سالوں تک اگر یہی حال رہا تو آج جو یورپ کا لباس ہے وہی ہمارا ہوگا العیاذ باللہ!۔

جو راستہ ہم غیروں کا پکڑ کر بیٹھے ہیں، اس راستے پر چلنے سے آیندہ سالوں میں مسجدیں ختم اور کلب کھل جائیں گے۔ آج کل کے ٹی وی ڈرامے ہمارے اور ہماری

اولادوں کے ایمان کو ختم کر رہے ہیں۔ اور اگر کہا جائے کہ گھر سے ٹی وی نکال دو تو ہم اس کو اپنے گھروں سے نکال نہیں سکتے۔ اب آپ خود ہی سوچیں کہ ہم اپنی اولادوں کو کیا بے حیائی دکھا رہے ہیں۔ ہمیں ان خرافات سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

سنت کو لازم پکڑیں

بہر حال دسویں محرّم کا جب آپ روزہ رکھیں تو ساتھ میں نویں یا گیارہویں محرّم کا بھی روزہ ملا لیں۔ دس کا تو اس لیے کہ احترام والا دن ہے اور نو یا گیارہ کا روزہ رکھتے ہوئے سوچیں کہ میں نے آج کا روزہ اس لیے رکھا کہ مجھے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرنی ہے اور ان کے طریقوں پر نہیں چلنا ہے۔ ہمارے حالات تو ایسے ہو گئے کہ ہم رسم و رواج کے لیے تو جان دینے کو تیار ہیں، مگر سنت جاتی ہے اور چھوٹتی ہے تو چھوٹے۔ ہمیں کوئی پروا نہیں۔ یاد رکھیے! ہم نے کل اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی پیش ہونا ہے، اور اپنے تمام اعمال کا اللہ ربّ العزّت کے آگے جواب دہ بھی ہونا ہے۔ اگر آج کے دور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کوئی بھی جلیل القدر صحابی لوٹ آئے، تو پتا نہیں وہ ہمارے حالات کو دیکھ کر ہمیں شاید مسلمان بھی تسلیم نہ کرے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سچا اور سنتوں پر چلنے والا مسلمان بنائے اور ہمارا خاتمہ بالخیر ایمان پر کرے آمین۔

دسویں محرّم کو اہل و عیال پر وسعتِ رزق

بہر حال دس محرّم والے دن اہل و عیال پر رزق میں وسعت کے بارے میں بھی چند باتیں سن لیجیے۔ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ وَسَّعَ عَلٰی نَفْسِهٖ وَأَهْلِهٖ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ سَائِرَ سَنَتِهٖ.

(الاستذکار:10/140)

ترجمہ: ''جو اپنے آپ پر اور اپنے گھر والوں پر عاشوراء یعنی دس محرّم کے دن میں وسعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال وسعت فرمائے گا''۔

اس حدیث شریف کو بیان کرنے کے بعد صحابیِ رسول ﷺ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ہم نے اس کا تجربہ کیا تو اس کو اپنے تجربے میں صحیح پایا''۔ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں سب سے مضبوط روایت یہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے اپنے گھر والوں پر عاشوراء یعنی دس محرّم کے دن وسعت کی یعنی کشادگی کی، اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال وسعت اور کشادگی کا معاملہ فرمائے گا۔ (مجمع الزوائد: رقم 5136)

اب دس محرّم کے دن ہم اپنے آپ پر اور اپنے گھر والوں پر وسعت کریں۔

حدیث شریف میں عموم نہیں، خصوص ہے

ایک سوال پوچھتا ہوں کہ محلے والے گھر والوں میں شامل ہوتے ہیں؟ بازار والے گھر والوں میں شامل ہوتے ہیں؟ شہر والے گھر والوں میں شامل ہوتے ہیں؟ آپ بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ شامل نہیں ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جتنا بتایا، بس اتنے کو ہی سمجھیں۔ اگر کوئی عام لوگوں کو کھانا کھلانا چاہے تو منع نہیں ہے، مگر اس کے لیے دس محرّم کی تخصیص بھی نہیں ہے۔ آپ مدرسے میں طلبہ کو، غرباء کو، رشتہ داروں کو جب مرضی چاہے کھلائیں، اس کے لیے دس محرّم کا دن مخصوص کر لینا درست نہیں ہے۔ اور اس میں کئی قباحتیں ہیں جنہیں ہم علمائے کرام سے پوچھ سکتے ہیں۔ مثلاً ریا و نمود، مال کا اِسراف

وغیرہ کئی ایسی برائیاں ہیں جو قطعاً ٹھیک نہیں ہیں۔

بھئی! آسانی گھر والوں کے لیے پیدا کرنی ہیں جیسی جس کی ہمت ہے اس کے حساب سے۔ مثلاً فروٹ زیادہ آ گیا، کھانا اچھا بنالیا، بچوں کی پسند کی چیز بن گئی۔ ایک ڈش بنتی ہے تو دو بنالیں۔ جیسے مہمانوں کے لیے اِکرام کرتے ہیں، اور ایک آدھ چیز زیادہ بناتے ہیں، ایسے ہی گھر والوں کے لیے بھی کرلیں۔

رزق سے برکت اٹھنا

اب انسان دس محرّم کو کشادگی تو کر لیتا ہے، ٹھیک ہے۔ پھر دیکھنا ہے کہ صحابی رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا تجربہ کیا تو بعینہٖ اسے ایسا پایا۔ اور بعض لوگ اپنے گھر والوں کا دس محرّم کو بڑا اکرام کرتے ہیں، مگر بتلاتے ہیں کہ انہیں تو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ایک شخص نے سارا سال فجر نہیں پڑھنی، سارا سال سود کا نظام بھی چلانا ہے۔ اور دس محرّم کا کھانا کھلا کر یہ سمجھ لینا کہ باقی سارے احکامات معاف ہو گئے، اب جو مرضی چاہے کرو، بالکل دین سے ناواقفیت والی بات ہے۔ شریعت کے سارے احکامات اپنی اپنی جگہ ہیں، تو ہر عمل کو ہم اس درجے میں کریں جس درجے میں ہے۔ مستحب کو فرض کا درجہ دیتے ہوئے بہت اہتمام کرنا اور فرض عمل کو بالکل ہی چھوڑ دینے سے مشکل ہی پیش آئے گی۔ جبکہ فرض کو فرض کے درجے میں رکھتے ہوئے، مستحب کو مستحب کے درجے میں رکھتے ہوئے عمل کرنے میں ان شاء اللہ آسانی ہوگی۔

پچھلی اتوار کو رزق کی سترہ کنجیوں کے بارے میں بات ہوئی تھی۔ رزق میں برکت کے بارے میں کئی معاملات ہیں۔ اب ایک آدمی نافرمانی پر تلا ہوا ہے تو یہ نافرمانی ہی اس کے رزق کو کم کر رہی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک آدمی رزق سے محروم کر

دیا جاتا ہے اس گناہ کی وجہ سے جس کو وہ اختیار کرے۔ (سنن ابن ماجہ: رقم 4022)

گناہوں کی نحوست سے انسان رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ ہم گناہوں کو چھوڑ دیں پھر دیکھیں کہ کیسے اللہ تعالیٰ برکت کا معاملہ فرمائیں گے۔ جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس کا رزق بھی کم کر دیا جاتا ہے۔

عظمتِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ

اب رہی بات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی۔ چناں چہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت دس محرّم کو ہوئی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اہلِ بیت میں سے ہیں، ان کا مقام اور مرتبہ بہت بڑا ہے۔ ان کے مقام کے بارے میں اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کمی کر دی تو ایمان کا نقصان ہو جائے گا۔ اپنے ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔ ان کا مقام بھی بہت بلند ہے۔ ان کی قربانی بھی بہت عظیم ہے۔ اس عظیم قربانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے عظیم شخصیت کو عظیم دن میں یہ فضیلت دی۔ قربانی بھی عظیم، خاندان بھی عظیم، شخصیت بھی عظیم، واقعہ بھی عظیم، سب کچھ عظیم۔ اور اس عظیم دن کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم واقعے کے ساتھ نسبت دے دی۔ اگر پانچ دن پہلے یا پانچ دن بعد ہو جاتا تو باقی ساری عظمتیں تو اسی طرح تھیں، اس کی تو کوئی کمی نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مزید انہیں دس محرّم کی عظمت سے نوازا۔ آپ سمجھ لیجیے کہ اُن پر عزّت کا ایک اور تاج پہنا دیا گیا۔ اہلِ بیت اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اتنا بڑا ہے کہ ہم کسی کی بھی عظمت میں کمی نہیں کر سکتے۔

لاعلمی کی بات

بعض لوگ محرّم کے مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں کہ بڑا منحوس مہینہ ہے، اس میں شادی نہیں کرنی۔ یہ معاملہ بھی لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ کوئی

دن، کوئی وقت، کوئی زمانہ منحوس نہیں ہوتا۔ جب کسی کی بدعملی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مار اس پر پڑی تو گویا وہ دن اس کے اپنے حق میں ناموافق اور نحوست کے ہوئے۔ اور یہ کسی اور کی وجہ سے نہیں، خود اس کے اپنے کرتوت کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں قومِ عاد کی تباہ کاری کو بیان فرماتے ہیں:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ (سورۃ القمر: الآیۃ 19)

ترجمہ: ''ہم نے ایک مسلسل نحوست کے دن میں اُن پر تیز آندھی والی ہوا چھوڑ دی تھی''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يُؤْذِيني ابن آدم، يسبّ الدهر، وأنا الدهر، أقلّب الليل والنهار.

(صحیح مسلم: رقم 4173)

ترجمہ: ''بنی آدم مجھے ایذا دیتا ہے (یعنی میری شان کے خلاف بات کہتا ہے) یہ زمانے کو برا بھلا کہتا ہے حالاں کہ زمانہ تو میں ہوں (یعنی زمانہ میرے تابع اور میرے ماتحت ہے) اور میں ہی رات اور دن کو پلٹتا ہوں''۔

اس لیے کسی بھی مہینے یا دن کو منحوس سمجھنا مناسب نہیں۔

ایک فقیہ کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک صاحب نے اپنی بیوی کو یوں کہہ دیا کہ میں تجھے منحوس دن طلاق دوں گا۔ اب وہ کہہ تو بیٹھا، اس کے بعد ایک فقیہ کے پاس گیا اور جا کر پوچھا کہ بھئی! میں اپنی بیوی کو یہ کہہ چکا ہوں کہ میں تجھے منحوس دن طلاق دوں گا۔ اب میں کیا کروں؟ فرمایا کہ جس دن تیری فجر کی نماز قضا ہو جائے تو وہ تیرے لیے منحوس دن ہے، اس دن تم یہ کام کر سکتے ہو۔ معلوم ہوا کہ جس دن نماز قضا ہو جائے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو جائے

اور آدمی نے توبہ نہیں کی تو وہ دن اس کے لیے نحوست والا کہا جا سکتا ہے۔

جمعہ کی مبارک دینا

ایک اور ہمارے ہاں رسم چلی ہوئی ہے پہلے تو نہیں تھی۔ ہر جمعے کو جمعہ مبارک کا پیغام آتا ہے۔ بڑے بڑے خوبصورت Images بن گئے ہیں۔ چند سیکنڈز کی ویڈیوز بھی بن گئی ہیں۔ دیکھیں! میں نے مفتی حضرات سے اس کو پوچھا کہ جمعہ مبارک دینا لینا کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں ایسا نہیں تھا، لہٰذا یہ سنت تو نہیں ہے۔ اور مبارک یعنی برکت کا تعلق تو اعمال کے ساتھ ہے۔ ایک آدمی نے جمعہ کے دن فجر کی نماز نہیں پڑھی، داڑھی کو اس نے ذبح کیا، اور جا کر مسجد میں بیٹھ گیا۔ اور کہتا ہے کہ جی! میں جمعے کی تیاری کر کے آیا ہوں۔ ہفتے بعد جمعہ کی نماز پڑھ لیتے ہیں، نہ دعا کا پتا ہوتا ہے، نہ سارے ہفتے کی نمازوں کا پتا ہوتا ہے۔

پھر یہ جمعہ کی برکتیں کس کو ملیں گی؟ جو تمام نمازیں اہتمام سے ادا کرے، جمعہ کی نماز کا غسل، خوشبو، سنت لباس، عمامے کا یا کم از کم ٹوپی سے سر ڈھکنے کا اہتمام، ناخن کاٹنے، بال کاٹنے، سورۂ کہف کی تلاوت اور درود شریف کی کثرت کرے۔ جمعہ کی نماز کے لیے جب اُردو میں بیان شروع ہوتا ہے تو بیان کے شروع میں پہنچے، خطبہ توجہ سے سنے، توجہ سے نماز ادا کرے، تسلی سے سنتیں اور نفل نماز پڑھے۔ جو جمعہ کے پورے احکامات پر اُترے اس کے لیے تو جمعہ مبارک ہے۔ اور جو جمعہ کے دن کچھ بھی نہ کرے، کوئی نماز ہی نہیں پڑھی، یا صرف ایک جمعہ کی نماز پڑھے تو یہ اس کے لیے مبارک نہ ہوا۔ اعمال کے ساتھ برکت کا تعلق ہے۔ اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت کو صحیح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جو چیز جس درجے میں بتائی گئی اس کو اسی درجے میں

رکھیں گے تو ہمارے لیے آسانی ہوگی۔ کمی بیشی کا اختیار ہمارے پاس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت کی عزتیں اور برکتیں عطا فرمائے آمین۔

نئے سال میں نیکیوں میں اضافہ کا عزم

بارہ کے بارہ مہینے اللہ ہی کے ہیں۔ اب نیا سال شروع ہونے والا ہے۔ ہم اپنا ہدف طے کریں کہ اس سال ہم نے پہلے سے بہتر کرنا ہے۔ ہر کاروباری آدمی اپنی پانچ سال پرانی کاروباری سوچ پر نہ راضی ہوتا ہے، اور نہ ملازم ملازمت پر خوش ہوتا ہے۔ وہ ہر سال اپنی Increment چاہتا ہے۔ وہ ہر سال چاہتا ہے کہ میرے Bounas اور الاؤنس میں اضافہ ہو۔ دوکاندار ہر سال اپنی Sale میں اضافہ چاہتا ہے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم ہر سال زیادہ سے زیادہ اللہ کی ذات اور نیکیوں کی طرف راغب ہوں۔ ہماری زندگی کا وقت ختم ہو رہا ہے۔ ہم جتنی زندگی لے کر آئے تھے اس کا معین وقت طے ہے۔ اب اس میں سے ایک سال اور کم ہوگیا، یعنی ہم اپنی موت کے اور زیادہ قریب ہو گئے۔ یعنی اب ہمارے پاس اللہ کو منانے کا وقت ختم ہو رہا ہے۔ تو اب ہمیں دین کی طرف محنت کرنے کی مزید ضرورت ہے۔ جو تھوڑا سا وقت بچ گیا اس میں زیادہ سے زیادہ اللہ کو منانے کی کوشش کریں۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہماری کوششوں کو قبول فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.



پردہ پوشی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَا دِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. أَمَّا بَعْدُ:

قال رسول اللہ ﷺ:

مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (صحیح مسلم: رقم 2699)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

علاج کے لیے تشخیصِ مرض ضروری ہے

آج کی اس مجلس میں پردہ پوشی سے متعلق بات عرض کی جائے گی اِن شاءاللہ۔
دیکھیے! جس طرح جسمانی بیمار شخص اپنے اندر کی بیماری اپنے معالج کو بتاتا ہے اور

اس بات کو عیب نہیں سمجھتا۔ اگر نہیں بتائے گا تو اس کا علاج نہیں ہوگا۔ اسی طرح روحانی بیمار روحانی معالج کو اپنے اندر کی کمی بتاتا ہے، تو یہ عیب نہیں ہے۔ اگر نہیں بتاتا تو بغیر مرض کی تشخیص کیسے علاج کیوں کر ہو سکے گا۔

اپنی غلطی دوسروں کو بتانا درست ہے؟

ایک ہے گناہوں کو جگہ جگہ ذکر کرنا، فون پر یاروں کو بتانا۔ آج کے زمانے میں تو Facebook ایک ایسی مصیبت آگئی ہے کہ گھر کی کوئی پارٹی ہوتی ہے تو فیس بک پر لگانے کی سب سے پہلے فکر ہوتی ہے۔ جو غلطیاں ہوئیں، کوتاہیاں ہوئیں، اللہ تعالیٰ کے احکامات ٹوٹے۔ شوشل میڈیا کے ذریعہ سب کو بتا دیتے ہیں۔ گناہوں کا پرچار کرنا خود بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن اپنی اِصلاح کی نیت سے اپنے مربّی کو، اپنے شیخ کو یا اپنے استاذ کو بتا دینا کہ اِصلاح ہو جائے، یہ جائز ہے۔ یہ گناہ نہیں ہے۔

ایک ایسا موقع بھی آتا ہے کہ کسی کے گناہ کو یا عیب کو ظاہر کرنا ہوتا ہے تا کہ باقی لوگ بچ جائیں۔ مثلاً کسی گھر سے رشتہ آیا اور اس کے بارے میں کسی نے آپ سے پوچھا کہ فلاں صاحب کا رشتہ آیا ہے، کیا کروں؟ اب آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ اگر وہاں خدانخواستہ کوئی کمی ہے، آپ کو پتا ہے تو آپ اس کو بتا دیں، تا کہ اس کا معاملہ خراب نہ ہو۔ اس میں شرعاً کچھ گنجائش ہے، لیکن بات یہ ہے کہ دل میں نیک نیتی ہو، کیوں کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ. (صحيح البخاري: رقم 1)

ترجمہ: ”تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے“۔

اگر خیر خواہی کے ساتھ اور صحیح جذبے کے ساتھ دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے بات بتائی جا رہی ہے تو اس کی کسی قدر گنجائش ہے، لیکن اس کے علاوہ کی گنجائش کوئی نہیں۔ اگر

بری نیت کے ساتھ اچھا کام بھی کر رہے ہیں تو وہ بھی نقصان کا ذریعہ بنے گا۔

مسلمان کے عیب کی پردہ پوشی پر اِنعامات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ ربّ العزّت اس کی دنیا میں بھی پردہ پوشی کریں گے اور آخرت میں بھی پردہ پوشی کریں گے۔ (صحیح مسلم: رقم 2699)

جنت میں داخلہ ہم سے ہر ایک ہی چاہتا ہے۔ آیئے ہم ڈیل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے کہ ہم کسی مسلمان کی برائی کا چرچا نہیں کریں گے۔ مسلمان کے راز کو راز رکھیں گے جب تک کہ کسی دوسرے کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کے کسی عیب کو دیکھا اور اسے چھپا لیا، وہ جنت میں جائے گا۔

(تخریج أحادیث إحیاء علوم الدّین: رقم 1731)

آج اگر یہ حدیث ہم لوگوں میں رَچ بس جائے تو اِن شاء اللہ جنت کے فیصلے ہمارے لیے آسان ہو جائیں گے۔ کرنا کیا ہے؟ اپنے اوپر کنٹرول اور جنت۔

ایک حدیث میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مؤمن کی پردہ پوشی کی اس نے گویا زندہ درگور کو زندگی عطا کر دی۔

(تخریج أحادیث إحیاء علوم الدّین: رقم 1642)

یعنی جب کسی کے عیب کا آپ کو معلوم ہو گیا تو گویا وہ آپ کی نظروں میں زندہ درگور ہو گیا۔ اگر آپ نے اس کے عیب کی پردہ پوشی کر لی تو اس کو گویا نئی زندگی مل گئی، وہ آرام سے کام کر سکتا ہے۔ اب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل دیکھیے!

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا عمل

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے غلام ایک دفعہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضرت! آپ کا ایک پڑوسی شراب پیتا ہے۔ آپ اس کے بارے میں خبر آگے کر دیجیے، تاکہ کوتوال یا پولیس آئے اور اس کو سزا دے۔ صحابی رسول حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، کوئی بات نہیں کرنا۔ اس لیے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مؤمن کے عیب کو چھپائے، اس نے گویا قبر میں دفن شدہ کو زندہ کر دیا۔ نئی زندگی، نئی حیات اس کو مل گئی۔ (تخريج أحاديث إحياء علوم الدّين: رقم1642)

اب اگر ہم اس عمل کو نہیں اپنائیں گے تو پھر کیا ہوگا؟ اس کو بھی سن لیجیے۔

ٹوہ میں پڑنے کا دنیاوی نقصان

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا جس میں یہ بات ارشاد فرمائی:

''اے اُن لوگوں کی جماعت جو زبان سے تو ایمان لائے ہیں، مگر ان کے دل ابھی ایمان سے خالی ہیں! مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، اور نہ اُن کے پوشیدہ امور کی ٹوہ میں پڑو۔ اس لیے کہ جو شخص لوگوں کے رازوں کے پیچھے پڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کے راز کے پیچھے پڑ جائے گا، اور اللہ تعالیٰ جس کے راز کے پیچھے پڑ جائے اسے گھر بیٹھے ذلیل و رسوا کر دے گا''۔ (سنن ابی داؤد: رقم4880)

جب کوئی شخص کسی دوسرے کے عیبوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے کہ کسی طرح مجھے معلوم ہو جائے کہ فلاں کے گھر میں کیا مسائل ہیں؟ کیا خرابیاں ہیں؟ کیا اُن کی لڑائیاں چل رہی ہیں؟ جھگڑے کیا ہیں؟ کھود کُرید میں لگ جائے تو بظاہر اس کی یہ محنت ہے، مگر اللہ

ربّ العزّت کو اس آدمی کا یہ عمل اتنا ناپسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ٹوہ میں پڑنے والے کو اس کے اپنے گھر میں بیٹھے ذلیل ورسوا کردیں گے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے عیبوں پر پردہ رہے، ہم دوسروں کے عیوب پر پردہ رکھیں۔ پھر بات سمجھنے کی ہے کہ دنیا میں تو یہ معاملہ ہوگیا کہ انسان ذلیل ورسوا ہوجائے گا، لیکن قیامت کے دن کیا ہوگا؟ وہ تو ہماری ضرورت کا بڑا دن ہے۔ اس دن کی ذلت ورسوائی معمولی نہیں ہے۔

ٹوہ میں پڑنے کا اُخروی نقصان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو اپنے مسلمان بھائی کی ستر پوشی کرے گا، اللہ ربّ العزّت قیامت کے دن اس کے ساتھ ستاری کا معاملہ فرمائیں گے (بروزِ قیامت اس کی پردہ پوشی کی جائے گی)، اور جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی پردہ دری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی پردہ دری فرمائیں گے حتّٰی کہ اس کو گھر بیٹھے رسوا کردیں گے۔ (سنن ابن ماجہ: رقم 2079)

یعنی صرف دنیا میں نہیں، آخرت کی رسوائی بھی انسان مول لے لیتا ہے۔ آج ہم اپنی زبان کی باتوں پر غور تو کریں۔ ہم 24 گھنٹے کی زندگی پر غور تو کریں کہ کتنی گفتگو ہماری اچھی ہوتی ہے، اور کتنی گفتگو ہماری بری ہوتی ہے۔ اندازہ ہوجائے گا کہ دنیا اور آخرت میں ہمارے ساتھ کیا ہونے لگا ہے۔

معاشرے کی تباہی

ابھی کچھ پہلے سنن ابی داؤد کی روایت بیان ہوئی۔ جس میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، اور نہ اُن کے پوشیدہ اُمور کی ٹوہ میں پڑو''۔ مطلب یہ کہ ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی خامی تو ہوتی ہے۔ ٹوہ میں

پڑے رہنے سے یہ ہوگا کہ تم دوسروں کی غلطیوں کو بتانے والے اور کھولنے بن جاؤ گے۔ اگر ہر آدمی اس طرح کرنے لگ جائے تو پورا معاشرہ خراب ہوجائے گا۔ ماحول خراب ہوجائے گا۔ تعلقات خراب ہوجائیں گے۔ اُمت کا سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔ لوگوں کے عیب کو تلاش کرنے میں کوئی خیر نہیں ہے۔ ہمارے اختیار میں تو ہے نہیں کہ ہم لوگوں کی اِصلاح کرسکیں، سب ٹھیک کرسکیں۔ عیب تلاش کرنے کے بعد ایک تو آدمی کا اپنا دل خراب ہوگا۔ اور دوسرا یہ کہ اپنا دل خراب ہونے کے بعد ہم وہ بات کسی سے شیئر بھی کریں گے تو اس کا دل بھی خراب ہوگا۔ پورے گھر کا ماحول، معاشرے کا ماحول، مدرسے کا ماحول، سارے ماحول خراب ہوجائیں گے۔ اس لیے فرمایا کہ دیکھو! مسلمانوں کے پوشیدہ اُمور کی ٹوہ میں نہ پڑو۔

سربراہ کے لیے قیمتی نصیحت

حضرت جُبیر بن نُفیر، حضرت کثیر بن مُرَّہ، حضرت عمرو بن اَسود، حضرت مقدام بن معدیکرب اور حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہم سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب سربراہ لوگوں سے سوئے ظن یا شکوک وشبہات میں رہتا ہے تو لوگوں کے درمیان فساد پیدا ہوجاتا ہے۔ (سنن ابی داؤد: رقم 4889)

یعنی ملک کا سربراہ ہو، یا کوئی عہدیدار ہو، یا کسی مدرسے کا بڑا ہو، یا کسی بھی تنظیم کا، یا معاشرے کے کسی بھی شعبہ کا بڑا ہو۔ ان بڑوں کے لیے پیغام ہے کہ انہیں چاہیے کہ اپنے چھوٹوں کے ساتھ حُسنِ سلوک وحسنِ ظن رکھیں۔ اگر سوئے ظن یعنی بدگمانی رکھیں گے اور شکوک وشبہات میں رہیں گے تو کیا ہوگا کہ ایک دوسرے کی جاسوسی کرائیں گے اور کسی پر اطمینان نہیں ہوگا، کسی سے کام نہیں لے سکیں گے۔ ان کو کسی پر اعتماد ہی نہ ہوگا

تو ملازمین سے کام بھی نہیں لے سکیں گے۔ ایک سے کہیں گے کہ اس کی خبر مجھے دو، دوسرے سے کہیں گے کہ اس کی خبر مجھے دو۔ ایک دوسرے کی جاسوسی ہی ہمیشہ کرواتے رہیں گے اور اپنے ماتحتوں سے بلا جھجک کام نہیں لے سکیں گے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ جس کسی کو ادارے کی سربراہی سے نوازے اسے چاہیے کہ اعتماد کی فضا کو قائم رکھے۔ شکوک وشبہات کی فضا کو قائم رکھا تو لوگوں کے درمیان اطمینان ختم اور فساد شروع ہو جائے گا۔ ہر ایک اپنی مخلصی کو ظاہر کرنے کے لیے دوسرے کو غیر مخلص ظاہر کرے گا، تو اس منتظم اور سربراہ کو مخلص اور غیر مخلص کا فرق پتا ہی نہیں لگے گا اور بلا وجہ لوگوں کی برائیاں کھل جائیں گی۔ حضور پاک ﷺ نے اربابِ انتظام کو ایک نصیحت فرمائی کہ دیکھو! اپنے سے نیچے والوں سے برا گمان مت رکھو، اچھا گمان رکھو۔ اللہ مہربانی فرمادیں گے۔

نبی کریم ﷺ کی خندق کے موقع پر دعا

حضور پاک ﷺ نے ایک خاص دعا اپنی امت کو سکھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ستّارالعیوب ہے۔ اس سے اپنے گناہوں پر پردہ پوشی مانگو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے خندق کے دن جب ایک طرف کفارِ مکہ کی فوج اور دوسری طرف یہود بنی قریظہ تھے۔ آپ ﷺ سے پوچھا کہ ہم کیسے دعا مانگیں؟ اللہ کے نبی ﷺ نے اِرشاد فرمایا: ہاں! پھر انہیں یہ دعا سکھائی:

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا. (المقاصد الحسنة: رقم 164، حديثٌ مرفوعٌ)

ترجمہ: ''اے اللہ! ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خوف سے امن عطا فرما''۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی دعاؤں میں اس دعا کو شامل کریں کہ اے اللہ!

ہمارے گناہوں پر پردے ڈال دیجیے، اور ہمارے خوف کو امن سے تبدیل کر دیجیے۔ ہر شخص کو یہی خوف ہوتا ہے کہ اگر اس کے گناہ کسی کو پتا لگ گئے تو دنیا میں بھی رسوائی اور آخرت میں بھی رسوائی۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے جو دعا سکھائی ہے، اللہ سے مانگیے۔

یہی دعا خوف اور دہشت کے موقع پر بھی پڑی جاتی ہے۔ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوۂ خندق کے موقع پر یہی دعا پڑھی جیسا کہ بات اوپر آئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دشمنوں کے دو لشکروں کے درمیان سے اَمن عطا فرما دیا۔ آج کل ہمارے ملک کے بھی حالات ہیں، تو ان حالات کی بہتری کے لیے اس دعا کو پڑھیں گے تو یہ سنت ہے اِن شاء اللہ۔ اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سکون اور اطمینان نصیب فرمائیں گے۔

گھر کی باتیں گھر میں رہیں

اب مسلم شریف کی ایک روایت اور سن لیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر اور گھریلو راز کی باتیں ظاہر کرنے پر منع فرمایا ہے۔ آج کل کے میڈیا اور ماحول نے سبق ہی کچھ اور پڑھا دیا، اور اُمت کو نبی علیہ السلام کے راستے سے بالکل ہٹا دیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِيْ إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِيْ إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا. (صحیح مسلم: رقم 1437)

ترجمہ: ''لوگوں میں سب سے زیادہ برا اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن وہ شخص ہے جو اپنی عورت کے پاس جائے اور عورت اس کے پاس آئے (یعنی صحبت کرے) اور پھر وہ شخص اس کا بھید ظاہر کر دے''۔

قیامت کے دن سب سے بدترین شخص وہ ہے جو بیوی کے ساتھ پیش آنے والی

باتوں کو لوگوں میں ظاہر کرتا ہے۔ بیوی کے ساتھ جو معاملات پیش آتے ہیں، ان کو لوگوں پر ظاہر کرنا بری بات ہے۔ شریفانہ اَخلاق کے بھی خلاف ہے کہ آدمی گھریلو باتیں گھر سے باہر کسی کو بغیر ضرورت بتائے۔ جب گھریلو راز اِفشا ہوتا ہے، اس سے انسان لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہوجاتا ہے۔ اس کا وقار وقار ختم ہوجاتا ہے۔ بہت ساری عورتیں ایسی ہیں جو اپنے خاوند کی شکایت جگہ جگہ جا کر کرتی ہیں۔ اگر جگہ جگہ جا کر نہ بھی کرے، تو اپنے والد والدہ سے، اپنے بھائیوں اور بہنوں سے تو ضرور کرتی ہیں۔

میکے میں شوہر کی برائی کا نقصان

میکے میں برائیاں اور ذکر کرنے سے کیا ہوتا ہے؟ نہ اس سے اس کا شوہر ٹھیک ہوتا ہے، اور نہ معاملات ٹھیک ہوتے ہیں۔ البتہ شوہر کی عزّت ختم ہوجاتی ہے، اس کا وقار نہیں رہتا، ختم ہوجاتا ہے۔ خود اس عورت کی بھی وہ عزّت نہیں رہتی۔ جب یہ جھگڑے کا ذریعہ بنتی ہے تو اس پر بھی کیچڑ اُچھالنے والے کیچڑ اُچھالتے ہیں۔ اگر یہ عورت اپنے گناہوں کو چھپاتی، اپنے گھر کی باتوں کو چھپاتی، اِدھر اُدھر نہ کرتی تو اس کی ایک عزّت، ایک وقار، ایک دبدبہ قائم ہوجاتا۔ انسان اپنے آپ کو خود ہی خراب کرتا ہے۔

جو عورت اپنی زندگی میں اپنے خاوند کا مقام اپنے میکے میں اور معاشرے میں نہ بنا سکی، اس نے خاوند کی کیا عزّت کی؟ اس رشتے کی اس نے کیا لاج رکھی؟ اس نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ خاوند کے ساتھ ساری زندگی اسے رہنا ہے۔ خاوند کی عزّت کرنا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ رہے بغیر یہ گزارا کر ہی نہیں سکتی۔ پھر اُسی کو ذلیل کر کے اس نے کیا حاصل کیا؟ یہ سب ہوش میں لانے کی باتیں ہیں۔

بیوی کو عزّت دیں

اسی طرح مردوں کو چاہیے کہ بیوی کو زندگی بھر کے لیے اپنا بنا کر لے آئیں۔ اس کو ذلیل کرنا، اس کو رسوا کرنا، یہ بڑی بے وقوفی کی بات ہے۔ دنیا میں تو آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہی رہے ہیں۔ قیامت کے دن کی جو پریشانیاں ہیں وہ الگ ہیں۔ نبی علیہ السلام نے بتایا ہے کہ سب سے بدترین شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن وہ ہوگا جو اپنی بیوی کے ساتھ پیش آنے والی باتوں کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔ جب آپ اسے عزّت نہیں دیں گے تو آپ کی اپنی عزّت معاشرے میں کیا رہ جائے گی۔ جو جیسا کرتا ہے، ویسا بھرتا ہے۔ اولاد پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ اور کل جب ان کے رشتے ہوں گے تو پھر وہ اسی کو کر کے بتائیں گے تو بتلائیے کہ اس وقت کیسی شرمندگی ہوگی۔ یہ باتیں انہیں بتائی جا رہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی محبت ہے۔ وہ بچنے والے ہوں گے۔

پروپیگنڈے سے بچنا

آج کل کے شوشل میڈیا نے گھر کے اندر کی باتوں کو برسرِعام کرنے کی ایک مہم شروع کی ہے۔ ہر ایک کے گھر کی کہانی کو اوپن کر کے اظہارِ رائے کرنا فخر سمجھتے ہیں۔ آپ جب کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہو گئے تو پھر آپ کو سب کچھ پتا لگ جائے گا کہ اس گھر میں ہو کیا رہا ہے۔ اس دینِ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ گھروں کو توڑتا نہیں، جوڑتا ہے۔ اور بتائیے کہ عیب کس میں نہیں ہے؟ پھر گھر گھر کی کہانیاں سنانا اور اس پر تبصرے اور تذکرے کرنا، یہ جوڑنا تو نہ ہوا، یہ توڑنا ہوا۔ مثال کے طور پر کسی کے گھر کی داستان منظرِ عام پر لا کر کیا بتلایا جاتا ہے کہ اتنا سب کچھ ہو رہا ہے، پھر یہ کیوں جڑے ہوئے ہیں؟ انہیں توڑو۔ یہ اخلاق تو کیا، انسانیت سے بھی گری باتیں ہیں۔ پتا نہیں، یہ

کس درجے تک یہ باتیں ٹھیک ہیں۔
ہم کسی کے عیب کو کہیں بھی ذکر نہ کریں۔ کسی کی کوئی بات پتا چل جائے تو خاموشی اختیار کریں، کسی سے ذکر نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیں۔ اللہ! ہمارے گناہوں کی ستاری فرما، اور ہمیں امن عطا فرما۔

راز کی حفاظت

دوسری بات یہ کہ بعض مرتبہ کسی کو کوئی خاص کام بتایا جاتا ہے، تو اس کو چاہیے کہ اگر دوسرے نے اس کو عزّت دی ہے اور خاص کام میں راز دار بنایا ہے تو اس کی بہت ہی زیادہ حفاظت کرے۔

خادمِ رسول ﷺ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بچوں میں کھیل رہا تھا کہ حضور پاک ﷺ تشریف لائے۔ اور نبی علیہ السلام نے مجھے اپنے کسی کام سے بھیجا۔ اس کام سے فراغت پر واپس اپنی امی کے پاس پہنچا تو مجھے دیر ہوگئی۔ امی نے پوچھا کہ بیٹا انس! آج دیر کیوں ہوئی؟ میں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک کام سے بھیج دیا تھا، اس لیے دیر ہوگئی۔ امی نے پوچھا کہ کیا کام تھا؟ میں نے کہا: امی! کوئی خاص راز کی بات تھی، آپ سے ذکر نہیں کرسکتا۔ میری والدہ نے کہا: بیٹا! یہ راز کی بات کسی سے مت ذکر کرنا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جب یہ روایت بیان فرمائی تو اپنے شاگرد حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگے: اگر میں یہ راز کی بات کسی (باصلاحیت) کو بتاتا تو اے ثابت! میں تجھے بتاتا، لیکن میں نے کسی کو بھی نہیں بتائی۔ (صحیح مسلم: رقم4539)

نبی علیہ السلام نے حضرت انس رضی اللہ عنہ پر اعتماد کر کے کسی کام سے بھیجا تھا جو کہ خاص نوعیت کا کام تھا۔ دیر سے آنے پر اپنی امی کو اتنا بتایا کہ نبی علیہ السلام نے ایک خاص کام سے بھیجا تھا،

مگر ماں کے سوال پر اس راز کو ظاہر نہیں کیا۔ اور ماں نے بھی فوراً کہہ دیا کہ بیٹا! کبھی کسی کو نہ بتانا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہوا، کسی کو نہیں بتایا۔ اپنے آخری وقت میں لوگوں کو اتنا تو بتا دیا کہ ایک ایسا معاملہ پیش آیا تھا، لیکن بتلایا کسی کو نہیں۔ زندگی بھر اس پر خاموش رہے۔

غصہ کے تقاضے پر برا عمل

بعض مرتبہ ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے خاص بات شیئر کر دیتے ہیں۔ پھر وہ ہر جگہ جا کر بتا رہے ہوتے ہیں۔ خاص کر اس موقع پر جب آپ کی اور اس کی دوستی ختم ہو جائے اور اسے کسی وجہ سے آپ پر غصہ آ جائے تو پھر کوئی راز راز نہیں رہتا۔ جب تک دوستی ہوتی ہے، تب تک راز راز رہتا ہے۔ جیسے ہی غصہ چڑھ جاتا ہے، اس کے بعد یہ معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور ہم غصے میں آ کر دوسروں کی باتوں کو کھول رہے ہوتے ہیں۔ یہ بڑی ناپسندیدہ بات ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(آل عمران: 134)

ترجمہ: ’’اور جو غصے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے کے عادی ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے‘‘۔

غصہ آنا انسان کی صفت ہے۔ غصہ کا آنا برا نہیں ہے، اس کو باقی رکھنا، اس کے تقاضوں پر عمل کرنا، یہ برا ہے۔ بعد میں بھی شرمندگی ہی ہوتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے ایسے شخص کو پہلوان فرمایا جو غصے پر کنٹرول کر سکے۔ (صحيح البخاري: باب الحذر من الغضب)

غصے کے بارے میں دو واقعات سنیے!

میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اِحیاء میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میمون بن مہران کے پاس مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی باندی سے کہا کہ جلدی سے کھانا لے آؤ۔ وہ ایک بھرے ہوئے پیالے میں گرم گرم سالن یا شوربہ لے کر آئیں۔ جلدی میں تھیں کہ اچانک پاؤں پھسل گیا اور وہ شوربہ میمون بن مہران کے سر پر گر گیا۔ میمون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کیا تم مجھے جلانا چاہتی ہو؟ (خیال ہوا کہ میں اس کو سزا دوں) باندی نے فوراً کہا کہ اے خیر کا درس دینے والے، اور لوگوں کو ادب کی باتیں بتانے والے! اللہ تعالیٰ کا فرمان پڑھ لیجیے۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ باندی نے یہ آیت پڑھی: وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ

میمون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے غصے کو پی لیا ہے۔ باندی نے پھر پڑھا:

وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ.

میمون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے تجھے معاف کر دیا۔ باندی نے پھر آگے پڑھا:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ.

میمون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تو اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد ہے۔ (اِحیاء علوم الدین: حقوق المملوک)

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کا واقعہ

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی ایک کنیز انہیں وضو کرا رہی تھیں کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی بن حسین کے چہرے پر گر پڑا۔ (کپڑے بھی بھیگ گئے اور برتن لگنے سے تکلیف بھی ہوئی) غصہ سے کنیز کو دیکھا تو اسے خطرہ ہوا کہ کہیں مجھ پر غصہ نہ ہو جائیں۔ اس نے فوراً یہ آیت پڑھی:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ.

یہ سنتے ہی خاندانِ نبوت کے اس عظیم بزرگ نے کہا کہ میں نے اپنا غصہ پی لیا۔ یہ سن کر کنیز نے اگلا جملہ پڑھا:

وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ.

انہوں نے فرمایا: اللہ تجھے معاف کرے۔

کنیز بھی اسی خاندان سے تعلق رکھنے والی تھی۔ سمجھتی تھی کہ لوہا گرم ہے تو آگے بھی پڑھا جائے۔ اس نے تیسرا جملہ بھی پڑھ دیا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ.

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جاؤ، تم آزاد ہو۔ (شعب الایمان: رقم 7824)

یہ وہ لوگ تھے جب اللہ کا حکم اُن کے سامنے آجاتا تو بس اپنی ہر بات کو ختم کر کے اللہ کے حکم کی طرف متوجہ ہو جایا کرتے تھے۔

نکتہ کی بات

اس لیے طالباتِ علم کو چاہیے کہ اپنے اندر ان صفات کو پیدا کریں۔ جو اَحکامات یہ پڑھ رہی ہیں، دن رات کے اوقات جن چیزوں میں گزر رہے ہیں کہ اللہ کا حکم یہ ہے، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ ہے۔ دورانِ طالبِ علمی میں ان کو عمل کے سانچے میں ڈھالتی جائیں۔ یہ نہ سوچیں کہ جب ہم چھ سال پورے کر لیں گی اور ہمیں وفاق کی ڈگری مل جائے گی، ہم مستند عالمہ ہوں گی اور ساری دنیا میں ہمارا نام ہو جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ جناب! یہ دیکھو عالمہ جا رہی ہے۔ اس کے بعد ہم عمل کریں گے۔

یاد رکھیے! اگر طالبِ علمی کے دوران عمل نہ کیا تو بعد میں اِکٹھا عمل نہ ہو سکے گا۔ آہستہ آہستہ اپنے عمل کو بڑھانے کی فکر کریں۔

غصہ کو پی جانے کے فضائل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب اور پسندیدہ غصے کا وہ گھونٹ ہے جسے اللہ کے واسطے پی لیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ: رقم 4189)

یہاں بھی ایک بات سمجھنے والی ہے کہ جب کسی کمزور یا ماتحت پر غصہ آ جائے، اسے اللہ کے لیے پی جائے تو بہت ثواب کی بات اور پسندیدہ عمل ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کے ڈر کی وجہ سے رُک گیا۔ یہ اللہ کے لیے نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے تو یہ ہے کہ آدمی کو غصہ آیا اور اپنے پروردگار کا نام سن کر رک گیا۔ تو ہم اللہ کے لیے غصے کو پینے والے بن جائیں۔ بس اللہ کے لیے غصہ کی حالت میں نہ ہم چھوٹے کو جواب دیں، نہ بڑے کو جواب دیں۔ کمزور پر خوب غصہ اتارا جا سکتا ہے تو اتار لیا، اور طاقتور پر غصہ نہیں کر سکتے تو وہاں سیدھے ہو گئے۔ یہ مجبوری کا معاملہ ہے۔ یہ اللہ کے لیے نہیں کہلایا جائے گا۔

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص غصے کو پی جائے انتقام لینے کی طاقت رکھنے کے باوجود، تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اسے اختیار دیں گے کہ جس حورِ عین کو چاہے، پسند کر لے۔ (سنن ابی داؤد: رقم 4777)

اسی حدیث شریف کے آگے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ایک اور روایت نقل کی ہے۔ اس میں ہے کہ جو شخص غصہ کو پی جائے، اگر وہ چاہتا تو اس غصہ پر عمل درآمد کر سکتا تھا، لیکن اس نے (اللہ کی رضا کے لیے) پی لیا تو اللہ ربّ العزّت اس شخص کو (یعنی اس کے دل کو) امن اور ایمان سے بھر دیں گے۔ (سنن أبي داود: باب من كظم غيظًا)

غصہ کیسے دور کیا جائے؟

حضرت عطیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: غصہ شیطان کے اَثر سے ہے، اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے، اور آگ پانی سے بجھتی ہے۔ جب تم میں سے کسی کو غصہ آجائے تو اسے چاہیے کہ وضو کر لے۔ (سنن ابی داؤد: رقم 4784)

غصہ کا بہترین علاج نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان وضو کر لے۔ اس کے علاوہ غصہ دفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اُس جگہ سے جہاں غصے کی بات ہوئی، اس جگہ سے دور ہوجائے۔ اور تعوّذ یعنی أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ لے۔

ایک گنوار کا عجیب واقعہ

بخاری شریف میں ایک واقعہ اس سے متعلق نقل کیا گیا ہے۔ حضرت سلیمان بن صرد صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان کسی معاملے میں بات بڑھ گئی۔ اس موقع پر نبی علیہ السلام موجود تھے۔ ان میں سے ایک کو شدید غصہ آیا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس کا چہرہ اور رگیں پھول رہی تھیں۔ (دوسری روایت میں ہے کہ چہرہ سرخ اور رگیں پھول رہی تھیں) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر یہ اسے پڑھ لے تو اس کی غصہ کی کیفیت ختم ہوجائے۔ ایک اور شخص اس کے پاس گیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بات سنائی اور کہا کہ تعوّذ پڑھ:

أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ.

اس غصہ کرنے والے شخص نے اس بات سنانے والے سے کہا: تم میرے متعلق کیا گمان کر رہے ہو؟ کیا میں کوئی پاگل ہوں؟ جاؤ، اپنا کام کرو۔ (صحیح بخاری: رقم 5701)

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ غصہ کرنے والا شخص یا تو منافق تھا، یا غیر مسلم، یا

کوئی سخت بدّو تھا جس نے نصیحت کرنے والے کی نصیحت کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اتنا شدید غصہ میں ہو کہ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ یہ مجھے میرے بھلے کے لیے کہہ رہا ہے۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ غصہ کے موقع پر تعوّذ پڑھ لیا کریں۔

ناک پر غصہ

اچھا! غصہ چوں کہ شیطان سے ہے، اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے، تب ہی غصہ کو آگ بتایا ہے، اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے۔ آج کل ہمارے نوجوانوں کی حالت ایسی ہے جیسے کہ ماچس۔ ماچس کی تیلی کو جیسے ہی ماچس کے ساتھ رگڑتے ہیں تو آگ لگ جاتی ہے، کیوں کہ اندر آگ بھری ہوتی ہے۔ ہمارے نوجوانوں میں بھی آگ بھری ہوئی ہے، ذرا سی رگڑ لگتی ہے تو فوراً غصے میں آجاتے ہیں۔ ناک پہ جیسے غصہ دھرا رہتا ہے۔ ہم اپنے آپ کو بہتر کرنے کی کوشش کریں۔ غصہ کا بھی علاج کریں اور ساتھ ہی ساتھ عین غصے کے عالم میں کسی کی برائی نہ بیان کریں۔ پردہ پوشی کا معاملہ کریں۔ اللہ تعالیٰ بڑے رحیم ہیں، بڑے کریم ہیں۔ ان معاملات کو ہم پابندی کے ساتھ کریں، پھر دیکھیں کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت آئے گی۔ اور ہم کوشش کریں کہ کسی کی بھی غلطی کو، کسی کی بھی برائی کو بیان نہ کریں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک لوگوں میں سب سے افضل وہ ہیں جن کا دل صاف ہے۔ دوسروں کی برائیوں کی طرف ان کی نظر ہی نہیں اُٹھتی۔ اور دل اور سینے کو صاف کرنا ایک تو مراقبے سے ہوتا ہے، دوسرا ذکر سے، تیسرا قرآن پاک کی تلاوت سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ایک نصیحت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے

میرے بیٹے! اگر تجھ سے ہو سکے تو تم صبح وشام اس حالت میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے لیے کھوٹ نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ یہ میری عظیم الشان سنت ہے۔ اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا، تحقیق اس نے مجھ سے محبت کی۔ اور جس نے مجھ سے محبت کی، وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (سنن ترمذی: رقم 2678)

کسی دوسرے کے لیے کوئی کدورت، کوئی مخالفت نہ ہو۔ اور یہ واقعتاً بہت مشکل کام ہے۔ مراقبہ کرنا آسان، قرآن پڑھنا آسان، ذکر کرنا آسان۔ لیکن اپنے دل کو دوسروں سے صاف کر لینا، یہ بہت مشکل کام ہے۔ ذکر کی کثرت، اور اس پر اہتمام اپنی جگہ ہے، لیکن اگر ہم ویسے ہی اپنے دل کو ہر ایک سے صاف کر لیں تو یہ چیز اللہ کے ہاں انسان کا مقام اونچا کر دے گی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میرے اصحاب کی جانب سے یعنی میرے صحابہ کی جانب سے کوئی بھی آدمی مجھے بری بات نہ پہنچایا کرے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میں جب تمہارے پاس سے آؤں تو میرا دل تم سب سے صاف ہو۔ (سنن أبي داود: رقم 4860، باب في رفع الحديث من المجلس)

یعنی ایک کی بات جب دوسرے سے کی جاتی ہے تو دل میں برائی آجاتی ہے۔ کوئی اَثر آ ہی جاتا ہے۔ اس لیے اُمت کو اصول بتایا کہ دیکھو! ایک کی بری باتیں دوسرے کو نہ بتاؤ، اسے چھپاؤ تاکہ جب اللہ کے ہاں جاؤ تو تمہارے دل صاف ہوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک سب سے افضل اور بزرگ لوگ وہ شمار ہوتے تھے جن کا دل صاف ہوتا تھا، جن کی نظر دوسروں کی برائیوں کی طرف نہیں اُٹھا کرتی تھی۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اس عمل کو اپنا لیں اور اللہ تعالیٰ کے برکت والے اور مقبول بندوں میں شامل ہو جائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.



امانت داری

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَا دِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ o (المؤمنون:8)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

امانت دار آدمی جنت کا حق دار

قرآن مجید کی سورۂ مؤمنون کے شروع میں اہلِ جنت کی کچھ صفات کا ذکر ہوا ہے۔ جو آیت ابھی تلاوت کی اس میں فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ جو جنت میں جانے والے ہیں،

اور کامیاب ہونے والے ہیں، وہ ایسے لوگ ہیں جو امانت کا خیال رکھتے ہیں، امانت کو ادا کرتے ہیں، اور اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔ آج اِن شاء اللہ امانت کے بارے میں بات ہوگی کہ امین آدمی، وعدے کا پاسدار جنت میں جائے گا۔

اب سب سے پہلے تو ہم یہ سمجھ لیں کہ امانت کہتے کسے ہیں؟

امانت کا مروّجہ مفہوم

ہمارے ہاں امانت کا تصوّر موجود تو ہے مگر بہت محدود، بہت مختصر سا۔ یہ کہ ایک آدمی نے کسی دوسرے آدمی کو پیسے دیے امانتاً، اور جب مانگے تو دوسرے نے واپس کر دیے۔ مثال کے طور پر آپ نے ایک آدمی کو دس ہزار روپے دیے کہ امانت رکھ لو، میں ایک مہینے بعد آؤں گا اور لے لوں گا۔ آپ ایک مہینے بعد گئے، اس نے آپ کو دس ہزار روپے واپس پکڑا دیے آپ ہی والے نوٹ، تو یہ ایک ڈیل پوری ہوگئی، امانت مکمل ہو گئی۔ یہ بھی امانت ہے، مگر یہ اَمانت کا صرف ایک رُخ ہے۔ اَمانت کا لفظ بہت وسیع تر مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں یہ بات موجود ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں اُمانت نہ ہو۔

اَمانت کا صحیح مفہوم

امانت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کوئی ایک آدمی کسی دوسرے آدمی پر کسی بھی معاملے میں بھروسہ کرے، اور دوسرا آدمی اس بھروسے کو پورا کر کے دکھائے، یہ اَمانت ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو دنیا کے ہر شعبے میں، ہر ایک سے عموماً اور ہر ایمان والے سے خصوصاً تقاضا کرتی ہے۔

جبریلِ امین علیہ السلام اور رسولِ امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی شان میں قرآن پاک میں ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ (الشعرآء:193)

ترجمہ: ''امانت دار فرشتہ اسے (قرآن مجید کو) لے کر اُترا ہے''۔

قرآن مجید کی امانت اس دنیا میں حضرت جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے ہیں۔ چوں کہ وہ امین تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ روح الامین کے نام سے اپنے کلامِ مجید میں کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بالکل ٹھیک ٹھیک سنا، پھر بالکل اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا۔ کوئی زیر، زبر، پیش، تجویدی، تفسیری، لفظی یا معنوی گڑبڑ نہیں کی۔ اس میں کوئی خیانت نہیں کی تو اِنعاماً وہ امین ٹھہرے۔ پیغامِ حق کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک لانا یہ بھی تو امانت ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی امین ہیں جیسے کہ مشرکینِ مکہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صادق اور امین کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔

اَمانت اور ایمان کا جوڑ

پوری شریعت اَمانت ہے۔ ہمارے ہاتھ پاؤں سمیت ہمارے پاس موجود جسم کا ہر پُرزہ اللہ کی طرف سے اَمانت ہے۔ ہمیں ہر امانت کا حق ادا کرنا ہے۔ اور جس میں امانت داری نہ ہو تو پھر ایمان بھی نہیں رہتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی نہیں۔ (مسند احمد:135/3)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں:

1 إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ جب بولے گا جھوٹ بولے گا۔

2 وَ إِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ جب وعدہ کرے گا خلاف ورزی کرے گا۔

3 وَ إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ اور جب امانت رکھوائی جائے گی، خیانت کرے گا۔

(صحیح بخاری: رقم 33، صحیح مسلم: رقم 59)

اب یہ بات تو حدیث شریف میں ہے اور یہ تین باتیں جس شخص میں موجود ہیں یہ شخص عملاً منافق ہے اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا رہے۔ ہم اپنے اندر دیکھیں کہ ہماری باتوں میں جھوٹ کتنا، ہمارے معاملات کے اندر وعدہ خلافی کتنی، اَمانت کا احساس کتنا، تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ابھی بہت کمی ہے۔

حیا اور اَمانت کا اُٹھنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس اُمت سے سب سے پہلے جو چیز اٹھائی جائے گی وہ حیا اور امانت ہوگی۔ اور سب سے آخر میں جو رہ جائے گی وہ (بغیر خشوع کے) نماز ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آگے یہ بات ارشاد فرمائی کہ ایک جماعت نماز پڑھتی ہوگی، مگر ان کے لیے کوئی اَجر نہ ہوگا۔

(مجمع الزوائد: رقم 12428)

ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے تم دیکھو گے کہ آدمی نماز بھی پڑھتا ہوگا، روزہ بھی رکھتا ہوگا، حج بھی کرتا ہوگا، لیکن امانت کا حق ادا نہ کرتا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں یہ ارشاد بھی منقول ہے: بے شک اس اُمت سے سب سے پہلے جو چیز اٹھائی جائے گی وہ حیا اور امانت ہوگی۔ تم اللہ تعالیٰ سے ان دونوں چیزوں کا سوال کرتے رہنا (مستقل مانگتے رہنا)۔ (کنز العمال: رقم 5774)

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مستقل یہ دعا کرتے رہنا چاہیے کہ یا اللہ! ہمیں حیا

عطا فرما، اور امانت داری عطا فرما۔

چھ چیزوں کی ضمانت پر جنت

حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو، میں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں:

1. جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے۔
2. وعدہ کرے تو اسے پورا کرے (خلاف ورزی نہ کرے)۔
3. اگر تمہیں امانت دی جائے تو (صاحبِ امانت کے مطالبہ پر) اسے ادا کرو۔
4. اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔
5. اپنی نگاہوں کو جھکا کر رکھو۔

نامحرم سے بچاؤ۔ جب نامحرم سامنے آجائے، خواہ سڑک پر آجائے، شادی ہال میں آجائے، اسکرین پر آجائے، وہ موبائل پر ہو یا ٹی۔وی پر ہو، نظروں کو جھکائے رکھو۔

6. اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو (اس سے کسی کو تکلیف نہ دو)۔ (مسند احمد: 323/5)

یہ چھ باتیں ہیں۔ معاہدہ ہو رہا ہے کہ جو اِن چھ باتوں کی ضمانت دے دے، اس کے لیے جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت کے ضامن ہیں۔

قربِ قیامت امین اور خائن کون ہوگا؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسا زمانہ لوگوں پر آئے گا کہ خیانت کرنے والا امین (سمجھا) جائے گا، اور امین خائن (سمجھا) جائے گا۔ (سنن ابن ماجہ: رقم 4034)

مطلب یہ کہ جو لوگ خیانت کرنے والے ہوں گے، اُن کو تو ذمہ داریاں دے دی

جائیں گی، عہدے دے دیے جائیں گے اور وزارتیں دے دی جائیں گی۔ اور جو لوگ امین ہوں گے، امانت داری کے ساتھ کام کریں گے، اُن کو برا بھلا کہہ کر پیچھے کر دیا جائے گا۔ لوگ کیا سمجھتے ہوں گے اور بات کچھ اور ہو گی۔

اب کچھ بات اس پر کر لیتے ہیں کہ ایک آدمی دنیا میں اَمانت ادا کرتا ہے اسے کیا ملے گا؟ اور جو آدمی خیانت کرتا ہے، اس کو کیا ملے گا؟ یعنی ان کی جزا و سزا کیا ہو گی۔ یہ معلوم ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ ان فضائل و ترہیب پر کسی کے دل میں حق بات اُتار دے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادائیگی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے لوگوں سے مال لیا اور وہ اسے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرمائیں گے۔ اور جو لوگوں سے مال وصول کرے لیکن اس کی ادا کرنے کی نیت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ خود اس کے مال کو ہلاک فرما دیتے ہیں۔ (مشکاۃ المصابیح: رقم 2910)

جس شخص کے پاس امانت رکھی جائے اور وہ ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے اور مطالبہ کے وقت ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے مال میں فراخی عطا فرماتے ہیں اور اسے برکتوں سے نوازتے ہیں۔ اور جو امانت لے کے ادا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شاملِ حال نہیں رہتی اور اس کے مال سے برکت اُٹھا دی جاتی ہے، اور بسا اوقات ایسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے جس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے سارا مال ہی قربان کرنا پڑتا ہے اور آدمی کے پاس کچھ نہیں بچتا۔ اس لیے کہ یہ خود بھی کسی

مسلمان کونقصان پہنچا رہا ہوتا ہے۔

باعزّت زندگی گزارنا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم میں یہ چار صفات موجود ہوں تو پھر تمہیں دنیا کی کسی چیز کے چھوٹ جانے پر کوئی غم نہیں۔

یعنی تمہارے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ چار صفات جس کسی میں موجود ہیں وہ دنیا میں جہاں بھی جائے گا اس کو کوئی پریشانی نہیں، عزّت ہی ملے گی۔ جہاں دنیا میں رہے گا معزّز ہو کر رہے گا۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ ہماری عزّت نہیں ہے، لوگ Value نہیں دیتے۔ یہ چار صفات اپنا لیجیے آپ valuable personality بن جائیں گے۔

وہ کون سی چار صفات ہیں؟ دھیان سے سنیے گا!

1. امانت کی حفاظت
2. بات کی سچائی
3. حسنِ اَخلاق
4. حرام سے بچنا اور حلال غذا کا اہتمام۔ (مشکاۃ المصابیح: رقم 5222)

اب ہم دیکھیں کہ ہم جو شکوہ کرتے ہیں کہ معاشرے میں عزّت نہیں ہے، تو کیا یہ صفات ہم میں موجود ہیں؟ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ جس میں یہ صفات ہوں اور اس کی عزّت نہ ہو۔ سچے آدمی کی ہر جگہ عزّت ہوتی ہے، امین کی بھی عزّت ہوتی ہے، بااَخلاق آدمی کی بھی معاشرے میں بڑی عزّت ہے، اور جو حلال کا لقمہ کھائے اللہ تعالیٰ اس کو ویسے ہی عزّت عطا فرما دیتے ہیں۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی تنبیہ

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی آدمی کی نماز اور روزہ تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔ چاہے وہ روزہ رکھے، اور چاہے وہ نماز پڑھے، لیکن اس کا دین نہیں جس میں امانت داری نہیں۔ (شعب الایمان: رقم 4879)

جو امانت دار نہیں اس میں دین داری نہیں۔ نماز، روزہ دین کا ایک حصہ ہے، لیکن اس کے بعد اَمانت داری کی بھی ضرورت ہے۔ آپ کو آج کتنے لوگ ایسے ملیں گے جو نماز بھی پڑھتے ہوں گے، ہر سال حج وعمرے پر بھی جاتے ہوں گے، لیکن امانت کا خیال کرنے والے نہیں ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہ ارشاد کتنا سخت ہے کہ ان کے اندر دین نہیں۔ آدمی بزعم خود اپنے آپ کو کتنا بڑا دین دار خیال کرتا رہے، لیکن عنداللہ اس کی قیمت نہیں لگ رہی تو فکر کی ضرورت ہے۔

ناپ تول میں خیانت سے بچنا

اسی طرح صحیح ناپ تول کرنا بھی اَمانت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ (المطففین:1)

ترجمہ: ”بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی“۔

ناپ تول میں کمی کا کیا مطلب ہے؟ اس بات کو سمجھنا ہے۔ اس کی مثال دودھ والے اور کپڑے والے سے سمجھیے۔ جب لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب دینے کا وقت آتا ہے تو دیتے وقت ڈنڈی مارتے ہیں، کم کرتے ہیں۔ ان کا لینے والا گز اور ہوتا ہے، اور دینے والا گز اور ہوتا ہے۔

حضرت جی حفظہ اللہ کا ایک ملفوظ

ابتدا میں میرا جو خیال تھا کہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں سے مراد دودھ والا، سبزی والا وغیرہ ہے جو چیزیں تول کر دیتے ہیں۔ یا پھر درزی یا کپڑے والا ہے جو کپڑا ناپ کر دیتا ہے۔ لیکن حضرت جی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: نہیں، ناپ تول میں کمی دنیا کے ہر معاملے میں ممکن ہے۔ میاں بیوی کے اندر بھی ناپ تول ہے، باپ بیٹے کے اندر بھی ناپ تول ہے، شیخ اور مرید کے معاملے میں بھی ناپ تول ہے، ایک معلمہ اور اس کی طالبات کے معاملے میں بھی ناپ تول ہے۔

ناپ تول میں کمی کیا ہے؟

مثلاً خاوند یہ چاہتا ہے کہ میری بیوی میری ہر ضرورت پوری کرے، لیکن اس کے نان نفقہ کا خیال نہیں رکھتا، اس کو محبت نہیں دیتا۔ یہ چاہتا ہے کہ بیوی پردہ کرے، نامحرموں سے باتیں نہ کرے، ہاتھ میں تسبیح رکھے اور خوب ذکر کرے، اور خود نامحرموں سے باتیں کرتا ہے۔ یہ میاں کی اپنی بیوی کے حق میں ناپ تول میں کمی ہے۔ اسی طرح طالبات یہ چاہتی ہیں کہ ہمیں معلمہ بہت اچھا سا پڑھائیں، ہمیں وقت دیں، کلاس کے علاوہ بھی وقت دیں، اور خود کوئی محنت نہ کریں، خود کوشش نہ کریں۔ یہ طالبات کی طرف سے اپنی معلمہ کے حق میں ناپ تول میں کمی ہے۔

طالبات کے لیے ہدایت

اسی طرح جو وقت آپ نے مدرسہ کو دے دیا، ان حالات میں اتنی قربانیاں دیں۔ آپ مبارک باد کی مستحق ہیں کہ آپ نے اپنے اوقات میں سے دین کے لیے تین چار

گھنٹے اللہ تعالیٰ کو دیے ہیں۔ یاد رکھیے کہ یہ وقت بھی امانت ہے۔ اس وقت میں جب آپ لوگ ہمارے جامعہ رقیہ میں آجائیں تو خدا کے لیے اس امانت کا خیال رکھیں۔ جو چار گھنٹے جامعہ کے ہیں، اس میں آپس کی غیر ضروری بات چیت نہ کریں۔ یہ وقت اللہ کو دے دیا ہے، یہ اَمانت ہے۔ پڑھنے کی فکر کریں۔ اگر کسی وقت کسی وجہ سے کوئی معلمہ موجود نہیں ہے تو گپیں نہ لگائیں، باتیں نہ کریں۔ آپ اس وقت میں تکرار کرلیں، اپنے مضامین کی اَہم باتیں لکھ لیں۔ کچھ بھی کرنے کو نہیں ہے تو مراقبہ کرلیں، نماز پڑھ لیں، ذکر کرلیں، تلاوتِ قرآن کرلیں۔ اس وقت یہی کوشش کریں کہ یہ وقت ہمارا اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزرے۔ یا پھر مدرسہ کی صفائی، خانقاہ کا کوئی کام جو آپ آسانی سے کرسکیں کرلیں، لیکن وقت ضائع نہ کریں۔ یہ وقت امانت ہے جو آپ نے دے دیا ہے، اس کا خیال رکھیں۔ امانت کی حفاظت کی وجہ سے انسان کا رِزق بڑھ جاتا ہے۔

حضرت جابر اور حضرت علیہ رضی اللہ عنہما دونوں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ مبارک ارشاد ہے: امانت داری رزق کا سبب ہے، اور خیانت فقر کا سبب ہے۔

(جامع الأحادیث: رقم 9711، 3/448)

مشورہ امانت ہے

اسی طرح کسی کی کوئی بات آپ کو معلوم ہو، کوئی بھید پتا ہو تو یہ بھی آپ نے آگے نہیں پہنچانا۔ ایسے ہی کسی نے کوئی مشورہ مانگا تو مشورے کو صحیح طور سے دینا بھی امانت ہے۔ انارکلی میں ایک بزرگ رہتے تھے۔ اور جماعت میں ان کا آنا جانا ہوتا تھا۔ بہت نیک آدمی تھے۔ جب ہم لوگ انارکلی میں رہتے تھے تو وہاں اُن کی دوکان تھی۔ اُن کے ایک دوست اُن کے پاس آئے اور بات چیت کے درمیان کہا کہ جناب! میرا ایک لڑکا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ میرے لڑکے کی شادی آپ کی لڑکی سے ہوجائے۔ اِن بزرگ نے کہا کہ اچھا! ٹھیک ہے مشورہ کرکے بتائیں گے۔ بات ختم ہوگئی۔

تھوڑی دیر بعد اسی مجلس میں بات ہوتے ہوتے ان بزرگ نے اپنے دوست سے پوچھا کہ بھئی! میری بیٹی کا رشتہ آیا ہے۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں کہ جس نے رشتہ مانگا تھا، اسی سے کہہ رہے ہیں کہ میری بیٹی کا رشتہ آیا ہے میرے ایک دوست کی طرف سے۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اب وہی دوست جس نے اپنے بیٹے کے لیے رشتہ مانگا تھا، اپنا سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر بعد کہنے لگا کہ آپ کی بیٹی پاکدامن ہے، نقیہ ہے، تقیہ ہے، آپ حضرات کا شریف خاندان ہے۔ میرے بیٹے کو میں جانتا ہوں، رشتہ مناسب نہیں ہے۔ عجیب بات ہے یانہیں؟ جو رشتہ مانگنے والا تھا، اسی سے جب مشورہ لیا گیا اسی کے بیٹے کے بارے میں تو کہہ دیا کہ نہیں، آپ کی لڑکی کے مناسب نہیں ہے۔ یہ ہے امانت اور دیانت داری۔

مدرسہ کی باتیں امانت ہیں

اب مدرسے کے معاملات، مسائل، یہاں کی سب باتیں امانت ہیں۔ یہاں کی ذاتی نوعیت کی باتیں گھروں میں جا کر discuss کرنے کے لیے نہیں ہیں۔ اور نہ دوسرے مدارس سے comparision کرنے کے لیے ہیں۔ ہر ایک کے اپنے اپنے معاملات اور حالات ہیں۔ ہم ہمت کے ساتھ اپنے اندر خوبیاں لانے کی کوشش کریں۔ اور ہم جہاں اپنی طرف سے بہتر کر سکتے ہیں، کریں۔ اسی طرح نجی مجلس کی باتیں ہم سن لیں تو وہ بھی آگے ذکر نہ کریں۔

رسولِ کریم ﷺ کی ایک خاص نصیحت

عورتوں کے متعلق رسولِ کریم ﷺ نے اپنی اُمت کے مردوں کو خاص نصیحت فرمائی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عورتوں کے بارے میں خیر کی نصیحت کو قبول کرو۔ ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں اوپر کا حصہ زیادہ ٹیڑھا ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو ٹوٹ جائے گی، اور اگر تم ویسے ہی چھوڑ دو گے تو ویسے ہی ٹیڑھی رہے گی۔ پس تم عورتوں کے بارے میں خیر کی نصیحت کو قبول کرو''۔ (صحیح بخاری:4890)

حدیث شریف میں عرفہ کے موقع پر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک مروی ہے: اے لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ تم نے ان کو اللہ کی امانت اور عہد کے ساتھ زوجیت میں لیا ہے۔ (صحیح مسلم: رقم 1218)

خیال رہے کہ جب مرد کسی عورت کو اپنی زوجیت میں لے لیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مقرّر کردہ شرطوں کے مطابق لیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی مرد کمی بیشی کرتا ہے، بیوی کے حقوق کو پورا نہیں کرتا تو یہ اَمانت میں خیانت کرتا ہے۔

بندگی کی امانت

امانت کا ایک مفہوم اور بھی ہے۔ وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے بندگی کی اَمانت ہمارے سپرد کی ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اَحزاب کی آیت میں ارشاد فرمایا:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ (الأحزاب:72)

ترجمہ: ''ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو انہوں نے اُس

کے اُٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اُس کا بوجھ اٹھالیا''۔

اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے ایک امانت ہمارے سپرد کی ہے۔ اس کا ایک تھوڑا سا منظر سمجھ لیجیے۔ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ میرے بندو! میں تمہارا پروردگار ہوں، میں تمہیں ایسی نعمتیں دوں گا جو تمہیں کوئی دوسرا دے نہیں سکتا۔ لیکن وہ وقتی ہوں گی، پھر میں دیکھوں گا کہ میری امانت کو تم کیسے استعمال کرتے ہو۔ اگر تم نے اس کا صحیح استعمال کیا اور امانت کا حق ادا کر دیا، پھر تمہیں موت آئے گی اور قیامت کے دن تم میرے سامنے آؤ گے، تو میں تم سے پوچھوں گا کہ تم نے میری امانت کے ساتھ کیا کیا؟ اور ہر امانت پوری کرنے والے کو پہلے سے بڑی نعمت دے دوں گا۔ اور جس نے دنیا میں میری امانتوں کا خیال نہ رکھا تو پھر قیامت کے دن وہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کو کوئی مزید نعمت دی جائے۔

پہلی مثال

بات آگے بڑھانے سے پہلے ایک سوال آپ سے کرتا ہوں۔ آپ نے ایک آدمی کو ایک لاکھ روپیہ امانتاً دیا۔ ایک مہینے بعد جب آپ اس سے واپس مانگتے ہیں کہ میری امانت واپس دو۔ جواباً وہ کہتا ہے کہ میرے پاس تو نہیں ہے۔ بات بڑھی، کچھ نہیں ملا اور آپ واپس آ گئے۔ اب اگلی مرتبہ جب آپ نے دس لاکھ روپے امانت دینے ہوں تو کیا آپ اس بندے کو دیں گے جس کو پہلے دی تھی؟ نہیں ناں! کیوں کہ اس نے خیانت کی تھی۔ اب ہمارے پاس ہماری آنکھیں، ہاتھ پاؤں، جسم کا ہر ہر پُرزہ یہ سب اللہ کی طرف سے امانتیں ہیں۔ قیامت کے دن ایک ایک کے بارے میں پوچھ ہوگی۔

دوسری مثال

اس کی دوسری مثال بھی سن لیجیے! ایک بہت بڑا بزنس مین آدمی تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو بیس لاکھ روپے دیے کہ کام شروع کرو۔ اور کہا کہ اگر تم نے بیس لاکھ سے کام صحیح کیا تو میرا سارا سرمایہ تمہارا۔ اور اگر تم اس رقم کو صحیح استعمال نہ کر سکے تو تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہارے حوالے اپنا سرمایہ کیا جائے۔ بالکل اسی طرح اللہ ربّ العزّت نے ہمیں تھوڑی مدت کے لیے اس دنیا میں بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اے میرے بندو! اے میری بندیو! ان نعمتوں کو وہاں استعمال کرلو جہاں میں نے کہا ہے۔ جب میرے پاس آؤ گے تو میں حساب کتاب کروں گا، اور جب ثابت ہو جائے گا کہ تم نے نعمتوں کا صحیح حق ادا کیا ہے، اب تمہیں میں ایسی نعمتیں دوں گا جو ہمیشہ ہمیشہ کی ہوں گی۔ قیامت کے دن ایک ایک نعمت کے بارے میں سوال ہوگا۔

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝ (التکاثر:8)

ترجمہ: ''پھر تم سے اُس دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا (کہ اُن کا کیا حق ادا کیا)''۔

تیسری مثال

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو بہت ساری صلاحیتیں بظاہر اس کے پاس اس وقت نہیں ہوتیں۔ ایسی پوزیشن میں پیدا ہوتا ہے کہ نہ چل سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، نہ اس کے دانت ہوتے ہیں، اور نہ کھا سکتا ہے، اور نہ ہی اچھا برا سمجھ سکتا ہے۔ بالکل ایک چھوٹا سا ناسمجھ بچہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو نعمتیں دینا شروع کرتے ہیں۔ آہستہ آہستہ نعمتیں بڑھ رہی ہیں۔ دانت آ گئے، آنکھیں ٹھیک ہو گئیں، عقل آ گئی، ساری چیزیں آتی چلی گئیں۔

جوانی کی نعمت بھی چودہ، پندرہ سال کی عمر میں مل جائے گی۔ اب وہ جوان ہوگیا۔ پیدائش سے لے کر چودہ، پندرہ سال کی عمر تک نعمتیں ملنے کا وقت تھا۔ اس کے بعد پندرہ، سولہ سال سے لے کر چالیس، پینتالیس سال تک اِن نعمتوں کے استعمال کا وقت تھا۔ جب چالیس، پینتالیس سال عمر ہوگئی تو آنکھیں کمزور ہوگئیں۔نعمت واپس جا رہی ہے۔ دانتوں میں کیڑا لگ گیا، کمزور ہوگئے۔نعمت واپس جا رہی ہے۔ پہلے سوتا اتنا تھا کہ اُٹھنا مشکل ہوتا تھا، اب ساری رات نیند نہیں آ رہی۔نعمت واپس جا رہی ہے۔ پہلے بھاگ دوڑ کر لیتا تھا، اب نہیں کر سکتا اور تھک جاتا ہے۔نعمت واپس جا رہی ہے۔

معلوم ہوا کہ پیدائش کے بعد سے لے کر پندرہ سال کی عمر تک ہم نعمتیں لیتے رہے، ہماری گروتھ ہوتی رہی، بڑے ہوتے رہے۔ جب پندرہ سال کے ہوگئے تو چالیس، پینتالیس سال تک ان نعمتوں کو استعمال کرتے رہے۔ یہ ان نعمتوں کے استعمال کا ٹائم پیریڈ تھا۔ اس کے بعد اِن نعمتوں کی واپسی کا سفر شروع ہوجاتا ہے۔

جسم کے استعمال کا سوال

موت کیا ہے؟ موت تمام نعمتوں کے کامل طور سے چھن جانے کا نام ہے۔ ساری نعمتیں چھن جائیں گی۔ قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے سامنے کھڑا کر کے کہیں گے کہ میرے بندے! میں نے تمہیں آنکھوں کی نعمت امانتاً دی تھی، تم نے کیا کیا؟ بندہ کہے گا: اللہ! زندگی بھر میں نے نامحرم کو نہیں دیکھا، کبھی نظر پڑ جاتی تو توبہ کر لیتا۔ ٹی وی پر کبھی وقت ضائع نہیں کیا، موبائل پر، اِنٹرنیٹ پر میں نے وقت ضائع نہیں کیا۔ اللہ! میں نے ماں باپ کو محبت سے دیکھا، بیوی بچوں کو محبت سے دیکھا۔ اللہ! بیت اللہ کو دیکھا، قرآن کو دیکھا۔ جب وہ یہ کہے گا تو ثابت کرنا پڑے گا۔ اس کے اعمال نامہ سے، فرشتوں کی گواہی سے یہ

ساری چیزیں جب ثابت ہو جائیں گی کہ واقعی اس نے صحیح طریقے سے آنکھ کا استعمال کیا، موبائل کے سامنے آنکھ کو برباد نہیں کیا، وقت کو برباد نہیں کیا۔ تب کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ امانت کا حق ادا کرنے کی وجہ سے اس کو وہ آنکھیں دیں گے جو اللہ کا دیدار کر سکیں گی۔

لیکن اگر کسی بندے کے بارے میں اعمال نامہ سے، فرشتوں کی گواہی سے یہ ثابت ہو گیا کہ گھنٹوں فیس بک پر بیٹھتا تھا، گھنٹوں اِنٹرنیٹ پر نامحرموں کو دیکھتا تھا، بیوی پاس ہوتی تھی مگر بیوی کو محبت نہیں دیتا تھا۔ حرام محبتوں میں سرگرداں تھا۔ تو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے نعمت کا حق ادا نہیں کیا۔ اب اللہ ربّ العزّت اس کو قیامت کے دن اندھا کر دیں گے کہ نعمت کا حق ادا نہیں کیا۔

ایک اور بندہ سے پوچھا جائے گا کہ ہاں بھئی! تم کو کھانے پینے کی نعمت دی تھی، کیا کیا؟ کہے گا: اللہ! ہمیشہ حلال کھایا، چیک کر کے کھایا، دیکھ بھال کر کے کھایا، میں نے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو حرام سے بچایا۔ جب اس کی بات ثابت ہو جائے گی تو اسے جنت کی نعمتیں کھلائی جائیں گی۔ لیکن جس بندہ پر ثابت ہو گیا کہ حرام کھاتا تھا اور احتیاط نہیں کرتا تھا کہ جو مل گیا وہ کھا لو۔ اس نے حرام وحلال کی پرواہی نہیں کی۔ اب اسے بھی کھانے ملیں گے، لیکن جہنم میں سے ملیں گے۔ وہ کیا ہوں گے؟ پینے کے لیے روح افزا اور پیپسی نہیں ہوگی بلکہ پینے کے لیے جہنمیوں کا پیپ ہوگا۔ اور کھانے کے لیے زقّوم کا درخت ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اَمانت کا خیال نہیں رکھا۔

اسی طرح ایک بندے سے سوال کیا جائے گا کہ اے میرے بندے! میں نے تجھے گھر کی نعمت دی تھی، نیلی چھت کے نیچے گھر دیا تھا۔ تم نے کیا کیا؟ کہے گا: یا اللہ! میرا گھر میں درسِ قرآن ہوتا تھا، یہ تو سنتوں کا گلشن تھا، یہاں مرد الگ اور عورتیں پردے میں

الگ بیٹھتی تھیں۔مخلوط محافل کی مجالس یہاں نہیں تھیں، میوزک نہیں تھا، گانا بجانا نہیں تھا۔ اللہ! گھر کو میں نے اس طرح سے استعمال کیا۔ جب اس کی بات ثابت ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں گے اور اسے جنت کا گھر اَلاٹ کر دیں گے۔

دوسرا بندہ وہ ہوگا جس کے گھر سے گھنٹوں میوزک کی آوازیں آتی تھیں۔ اس کے موبائل سے ہر وقت میوزک کی آواز، ٹی وی سے ہر وقت میوزک کی آواز، مخلوط مجالس جس میں عورتوں اور مردوں کے الگ الگ بیٹھنے کا کوئی انتظام ہی نہیں تھا، نہ کوئی قرآن پڑھنے والا، نہ کوئی دین کی بات کرنے والا۔ ایسے ہی اس نے گھر کی نعمت کو ضائع کر دیا تھا۔ اب اللہ ربّ العزّت اسے گھر دیں گے، لیکن جنت میں نہیں جہنم میں دیں گے۔ وہ کیسا مکان ہوگا؟ مَكَانًا ضَيِّقًا تنگ مکان ہوگا، نہ وہ لیٹ سکے گا، نہ کھڑا ہو سکے گا۔ وہاں موت مانگے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائیں گے: ایک موت نہ مانگ، موت پر موت مانگ، بار بار موت مانگ، مگر اب تجھے موت نہیں آئے گی۔ (سورۂ فرقان: آیت 14)

اسی پر ہر نعمت کو قیاس کر لیجیے کہ اس دن ہر ہر نعمت کا سوال ہوگا۔ اور اپنے اندر غور کر لیجیے کہ کیا میرے پاس اس کا جواب ہے؟

کانوں کی نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تمہیں کانوں کی نعمت دی تھی، کیا کیا؟ جب ثابت کرے گا کہ یا اللہ! میں ماں کی بات سنتا تھا، شیخ کی بات سنتا تھا، میں قرآن سنتا تھا۔ اللہ! میں دین کی باتیں سنتا تھا، اذان کی آواز میرے کانوں میں آتی تو میں نماز کے لیے چلا جاتا تھا۔ اللہ! میں نے نعمت کا حق ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہم کلامی کریں گے۔ وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی باتیں سنے گا۔ جنت میں حوروں کا قرآن سنے گا۔ جنت کے گیت سنے گا۔ اس کے تکلیفوں کے دن ختم ہو جائیں گے۔

لیکن اگر ثابت ہو گیا کہ گانے سنتا تھا، موسیقی سنتا تھا۔ ماں کہتی رہتی تھی مگر یہ ٹَس سے مَس نہیں ہوتا تھا۔ ایک کام کو 25,25 دفعہ کہنا پڑتا تھا، سنتا ہی نہیں تھا۔ اب اس کو امانت کے پورا نہ کرنے کی وجہ سے جہنم میں جانا پڑے گا۔ بہت اہم بات ہے۔

یہ شرمگاہ جو ہمارے پاس ہے یہ بھی امانت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا تو فرمایا کہ تم میری امانت ہو، جس کو بھی میں دوں گا اس کا پھر حساب لیا جائے گا کہ حلال استعمال کیا یا حرام استعمال کیا۔ یہ نماز، روزہ، زکوٰۃ تو اپنی جگہ لیکن امانت کو ادا کرنا ان تمام چیزوں سے بہت زیادہ مشکل ہے۔ اس کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔

وعدہ وفا کرنا

جو آیت شریفہ شروع میں تلاوت کی گئی تھی، اس میں امانت کے ساتھ ایفائے عہد کا بھی ذکر ہے۔ یعنی اہلِ جنت کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ امانت کا خیال کرتے ہیں، اور وعدہ خلافی نہیں کرتے بلکہ وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ (بنی إسرائیل: 34)

ترجمہ: ''اور عہد کو پورا کرو، یقین جانو کہ عہد کے بارے میں (تمہاری) باز پُرس ہونے والی ہے''۔

اب والدین شکایت کرتے ہیں کہ بچے وعدہ کرتے ہیں لیکن پورا نہیں کرتے۔ مگر بتائیے کہ کتنے ایسے لوگ بھی ہیں جو چھوٹوں سے وعدہ کر لیتے ہیں، لیکن پورا نہیں کرتے۔ یہ بھی وعدہ کی خلاف ورزی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب بولو تو سچی بات بولو، اور جب وعدہ کرو تو پورا کرو۔ (مسند احمد: رقم 22144)

دلوں سے نفرت کیسے ختم ہو؟

حضرت داوٗد علیہ السلام سے منسوب ایک قول ہے کہ اپنے بھائی سے وعدہ کر کے اس کے خلاف نہ کرو، اگر تم نے ایسا کیا تو دونوں میں نفرت پیدا ہو جائے گی۔ آج دلوں میں نفرتیں کیوں ہیں؟ اس لیے کہ وعدے پورے نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کے ساتھ جب اپنی کمٹمنٹ کو پورا کریں گے تو اللہ تعالیٰ خاندانوں میں محبت پیدا کر دیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مسلمان سے وعدہ کی خلاف ورزی کی (وعدہ کر کے توڑ دیا) اس پر اللہ تعالیٰ کی، اور فرشتوں کی، اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اس کا نہ کوئی فرض مقبول ہوگا اور نہ نفل۔ (صحیح بخاری: رقم 1870، صحیح مسلم: رقم 1370)

اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے آمین۔ ہم بھی امانت کو پورا ادا کرنے کا، اور وعدے کو پورا کرنے کا ارادہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں وعدہ پورا کرنے کی صفت متقین کی بیان کی ہے:

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (آل عمران:76)

ترجمہ: ”بھلا پکڑ کیوں نہیں ہوگی؟ (قاعدہ یہ ہے کہ) جو اپنے عہد کو پورا کرے گا اور گناہ سے بچے گا تو اللہ ایسے پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔“

یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو دو اور دو چار کی طرح واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اسے ملے گی جو وعدے کو پورا کرنے والا ہوگا۔

بچوں کی تربیت میں جھوٹ

آج ہمارے گھروں میں وعدوں کو پورا نہ کرنا مائیں اپنے چھوٹے بچوں کو سکھاتی

ہیں۔الامان والحفیظ! تربیت ہی ایسی کرتی ہیں۔گھروں کے اندر جھوٹ سکھاتی ہیں، پھر اولاد کو کہتی ہیں کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ عام طور پر کیا ہوتا ہے کہ ماؤں کی خود ہی تربیت نہیں ہوئی ہوتی۔اکثر باتوں میں اپنے چھوٹے بچوں سے جھوٹ بول دیتی ہیں۔کوئی کام ہوتا ہے تو اچھا! اپنی دادی کو یوں بول دو۔معصوم بچے کو تو پتا ہوتا ہے کہ آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔اپنی ساس سے جو جھوٹ بولنا ہوتا ہے وہ بچوں سے بلواتی ہیں۔والد سے یعنی اپنے شوہر سے جھوٹ بولنا ہو تو بچوں کو استعمال کر لیتی ہیں۔یا پھر بچوں سے کہتی ہیں کہ اچھا! تم یہ کام کرو گے تو تمہیں یہ لے کر دوں گی اور وہ نہیں لے دیتیں۔

جب بچوں کی تربیت میں جھوٹ شامل ہوگا، پھر کیسے سمجھتی ہیں کہ یہ بچے بڑے ہو کر ان کو عزّتیں دیں گے۔جس بچے کے دل میں یہ آجائے کہ میری ماں تو جھوٹی ہے، بات بات پہ جھوٹ بولتی ہے۔آپ نے تو اپنی عزّت خود ہی ختم کروالی، وہ اب آپ کی عزّت نہیں کرے گا۔عزّت سچے بندے کی ہوتی ہے، جھوٹے اور کذّاب کی عزّت نہیں ہوتی۔ ایک آدمی آپ کو معلوم ہے کہ جگہ، جگہ جھوٹ بولتا ہے۔کیا آپ اس کی عزّت کریں گے؟ کبھی بھی نہیں۔جھوٹے کی کیا عزّت ہوتی ہے؟ وہ تو ذلیل ہوتا ہے۔عزّت سچے بندے کی ہوتی ہے۔اس بات پر مائیں دھیان دیں اور سوچیں کہ آج کیا بیج بو رہی ہیں۔پھر کل کو پھل بھی ویسا ملے گا۔

تم اس بچے کو کیا دو گی؟

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے کہ اس دوران میری امی نے مجھے بلایا اور کہا کہ تم میرے پاس آؤ، میں تمہیں کچھ دوں گی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی والدہ سے پوچھا کہ تم اس بچے کو کیا دو گی؟

میری والدہ نے کہا کہ میں کھجور دوں گی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے اس کو کچھ نہ دیا تو تم جھوٹوں میں لکھی جاؤ گی۔ (سنن ابی داؤد: رقم 4991)

عام طور سے مائیں بچوں کو بہلانے کے لیے کوئی جھوٹا وعدہ کر لیتی ہیں، پھر اس وعدے کو پورا نہیں کرتیں۔ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ چپ ہو جائیں اور وقت نکل جائے، پھر کسی وقت کچھ اور بہانہ کر دیں گی۔ یعنی ایک جھوٹ اور بول دیں گی۔ اس طرح اللہ کے دفتروں (رجسٹروں) میں ایسی عورت کو جھوٹا لکھا جاتا ہے۔

اپنی باتوں کا محاسبہ

ایک اور آخری بات کر کے بات مکمل کرتے ہیں۔ ہم کتنا سچ بولتے ہیں اور کتنا جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ بات ہم نے معلوم کرنی ہے۔ ہم آج سے اپنے اوپر ایک پابندی شروع کر دیں۔ صرف تین دن اسے کر کے دیکھ لیں، معلوم ہو جائے گا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔ ہم اپنے آپ کو بڑا اشمار کرتے ہیں، ہمیں تو جی سب پتا ہے، ہم بیان سنتے ہیں، ہم نماز پڑھتے ہیں، بڑی دیر تک مراقبہ کرتے ہیں۔ بڑی روحانیت اور نورانیت محسوس کرتے ہیں۔ بس اپنے آپ کو خود ہی جانچ لیجیے۔ تین دن اپنے دونوں کانوں کو، اپنی زبان پر لگا دیجیے۔ جو زبان سے نکل رہا ہے اسے خود سنیے۔ اور ہر جھوٹ پر گھر کے ایک مخصوص کونے میں ایک کنکری ڈال لیجیے۔ تین دن میں پتا چل جائے گا کہ کتنی کنکریاں جمع ہو گئیں۔ اور چند ہفتوں میں تو گھر میں کنکروں کا پہاڑ بن جائے گا۔ کر کے دیکھ لیجیے۔ اگر کنکری جمع کرنا مشکل کام ہے اور برا لگتا ہے تو ایک اور جانچ کا طریقہ بھی ہے۔

ایک کاپی اور پین خرید لیجیے اور اسے اپنے پاس رکھ لیں۔ بس چھوٹی سی ایک ڈائری بنا لیں۔ اور اپنے دونوں کانوں کو اپنی زبان پر لگا ئیں اور سنیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں،

اور ہر جھوٹ پر ایک نشان لگائیں۔ کوئی لمبی باتیں نہیں لکھنے کے لیے، بس ایک مخصوص نشان لگا لیجیے۔ دیکھیے! کتنی جلدی وہ کاپی بھرتی ہے۔ پتا لگ جائے گا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلسل جھوٹ بولنے کی وجہ سے اللہ کے دربار میں ہم جھوٹے لکھے گئے ہوں۔ دنیا ہمیں کچھ کہتی رہے، اگر وہاں کا معاملہ نہ سدھرا تو کیا ملا؟ کچھ بھی نہیں۔

غیر شعوری باتیں

اچھا! بعض جھوٹ تو ہم By Default بولتے ہیں۔ گویا کہ ہمارے اندر ہی فکس کر دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی خاتون کو اس کی والدہ یا بہن نے فون کیا۔ اب وہ ان سے بات کرتی ہے اور اسی دوران اسے یاد آیا کہ ہنڈیا جل رہی ہے، مجھے وہاں پہنچنا ہے۔ آپ ان سے کہتی ہیں کہ میں ایک منٹ میں دوبارہ کال کرتی ہوں، یا میں ایک سیکنڈ میں آتی ہوں، یا یوں کہنا کہ ایک سیکنڈ ٹھہرو۔ اس ایک سیکنڈ اور ایک منٹ میں تو ہمیں پتا ہے کہ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے، اگرچہ سامنے والا بھی جانتا ہے کہ ایک سیکنڈ یا ایک منٹ سے زیادہ ہی وقت لگنا ہے، لیکن فرشتوں نے تو وہ لکھنا ہے جو زبان سے نکلا۔ فرشتوں نے تو لکھ لیا کہ اس نے ایک منٹ بعد کال کرنی ہے۔ اور جب آپ نے پانچ منٹ لگا دیے، آٹھ منٹ لگا دیے، پھر کال کر بھی لی لیکن جو آپ نے کہا وہ تو پورا نہیں کیا۔ یہ ہے غیر شعوری باتیں۔

موبائل کی تباہ کاریاں

ایسے ہی آج کل بچے والدین سے دس منٹ کے لیے موبائل لیتے ہیں۔ دس منٹ بعد کہتے ہیں ایک منٹ اور دے دیں۔ پھر آدھا گھنٹہ لگا دیتے ہیں۔ بس دو منٹ اور

دے دیں۔ بس پانچ منٹ میں دے رہے ہیں۔ آج بھی ایک صاحب بتلانے لگے کہ بچے جوان ہو گئے ہیں۔ سال دو سال پہلے تک تو ٹھیک تھے۔ ٹوپرز میں آنے والے تھے۔ اپنی کلاس میں ٹوپرز میں آنے والا بچہ موبائل کی وجہ سے ایسے تباہ ہوا کہ اب کہتا ہے کہ میں نے نہ کوئی کام کرنا ہے اور نہ پڑھائی کرنی ہے، بس مجھے موبائل چاہیے۔ اس کا باپ کہہ رہا تھا کہ میرا تو گھر جانا مشکل ہوگیا ہے۔ گھر جا کر کیا کروں؟ موبائل کی عادت بعض لوگوں کو ایسی لگ گئی ہے کہ بس ہر چیز کو چھوڑ کر موبائل چاہیے۔ موبائل کے پیچھے نوجوان نسل تباہ ہو رہی ہے۔ ہم موبائل یا اِنٹرنیٹ کے استعمال سے منع نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ بھئی! اس کا جائز استعمال جائز، اور ناجائز استعمال ناجائز ہے۔ حرام استعمال حرام ہے۔

ہم کس موبائل اور Facebook کے استعمال کو منع کرتے ہیں؟ اس کو سمجھ لیجیے! ہم مطلقاً منع نہیں کرتے۔ ہم اِنٹرنیٹ کے اس استعمال کو منع کرتے ہیں جو بیوی کو خاوند سے، خاوند کو بیوی سے دور کر دے۔ اولاد کو ماں باپ سے دور کر دے، ماں باپ کو اولاد سے دور کر دے۔ مسلمانوں کو علماء سے دور کر دے، مسلمانوں کو مسجد اور مدرسے سے دور کر دے۔ مسلمانوں کو اللہ سے دور کر دے، جنت سے دور کر دے اور جہنم کے قریب کر دے۔ ہم اس استعمال کے مخالف ہیں۔

نبی صادق و اَمین ﷺ

بات ہو رہی تھی امانت اور وعدہ پورا کرنے کی۔ یہ اہلِ جنت کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں یہ صفات عطا فرمائے۔ نبی کریم ﷺ کو کفارِ مکہ جو جان کے دشمن تھے، وہ کیا کہتے تھے؟ صادق، امین۔ یہ سچے بھی ہیں، امانت دار بھی ہیں۔ انہوں

نے دشمنی میں کوئی کسر نہ چھوڑی، لیکن پھر بھی نبی کریم ﷺ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ جس وقت نبی کریم ﷺ ہجرت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت تقریباً ہر قبیلے کا ایک آدمی تلوار لے کر کھڑا ہوا تھا کہ آج کچھ کر دینا ہے۔ عین اس وقت بھی کفارِ مکہ امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ ایسے تھے ہمارے نبی ﷺ۔

ہم بھی حیا کو اپنائیں، امانت داری کو اپنائیں، وعدہ پورا کریں۔ جنت کے راستے آسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اَمانت کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور خیانت کرنے والوں کی خیانت سے ہماری حفاظت فرمائے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.



موت کا وقت مقرر رہا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (المنافقون:11)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

جب آخری وقت آجاتا ہے، اس کے بعد نہ ایک منٹ کم کیا جاتا ہے، نہ ایک منٹ زیادہ کیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے، اور باقی لوگوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔

موت کا فرشتہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب پہلی مرتبہ ملک الموت کو دیکھا تو بیہوش ہو گئے تھے۔ اس پر ملک الموت نے اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ اے اللہ! آپ مجھے ایسے شخص کی روح قبض کرنے کے لیے بھیجا جس کے بعد سطحِ زمین پر کوئی بہترین آدمی نہیں۔ ملک الموت نے جب یہ کہا تو اللہ ربّ العزت فرمایا کہ میں اپنے بندے کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ جا کر ان کی روح قبض کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک باغ میں داخل ہوئے جہاں دیکھا کہ ایک آدمی انگور کھا رہا ہے، حتی کہ انگور کا رَس اس کے گالوں پر بہہ رہا ہے۔ بہت زیادہ کھا رہا ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تمہاری کتنی عمر ہے؟ اس نے بتایا کہ حضرت ابراہیم کی عمر سے اتنی اتنی۔ کم یا زیادہ عمر بتائی۔ اس کی بات کو سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو موت سے ملاقات کا شوق پیدا ہو گیا۔ چناں چہ ایک خوشبودار پھول سونگھنے کے لیے دیا گیا۔ اب وہ خوشبو سونگھتے رہے اور ملک الموت نے ان کی روح کو قبض کر لیا۔ (حلية الأولياء لأبي نعيم: ملك الموت وإبراهيم عليه السلام)

ملک الموت کا اظہارِ تعجب

بہرحال جو وقت لکھا ہے، جانا ہے، سب ہی نے جانا ہے۔ ایک مشہور واقعہ ہے یقیناً آپ سب نے سنا ہوگا۔ ایک شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ ملک الموت آئے اور اس شخص کو غور سے دیکھنے لگے اور بار بار دیکھتے رہے۔ ان کا بار بار غور سے دیکھنا اس شخص کو وحشت میں مبتلا کر گیا اور وہ پریشان ہو گیا کہ یہ مجھے اتنا غور سے کیوں دیکھ رہے ہیں۔ ملک الموت کے جانے کے بعد اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے

پوچھا کہ یہ کون تھا جو مجھے اس طرح گھور کر دیکھ رہا تھا؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ملک الموت تھے، جو انسانی شکل میں آئے تھے۔ اس نے کہا کہ اے سلیمان! آپ ہواؤں کو حکم دیں کہ مجھے اُڑا کر ہندوستان کے فلاں علاقے میں مجھے پہنچا دیں۔ میں بہت دور چلا جاؤں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی بات کو سنا اور کہا کہ ٹھیک ہے۔ ہواؤں کو حکم دیا گیا اور وہ ہندوستان کے آخری خطے میں پہنچ گیا۔ بات ختم ہوگئی۔

اس کے بعد ملک الموت کی ملاقات حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہوئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ بھئی! تم اس آدمی کو بار بار دیکھ رہے تھے، کیا ہوا؟ ملک الموت نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اس شخص کی روح کو ہندوستان کے فلاں حصہ میں قبض کرلو۔ وقت بھی یہی تھا اور یہ یہاں بیٹھا ہوا تھا۔ میں حیران تھا کہ یہ جائے گا کب، پہنچے گا کب؟ تو اللہ ربّ العزّت نے خود انتظام کر دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: 118 /8)

بہر حال حالات ایسے پیدا ہوجاتے ہیں کہ انسان وہاں پہنچ جاتا ہے جہاں اس کی روح قبض ہونی ہوتی ہے۔ یہ سارے انتظامات اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ بندہ اپنی موت کی جگہ خود پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ موت کی تکلیف سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا جواب

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ موسیٰ! موت کو کیسا پایا؟ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ! میں اپنی جان کو ایسے دیکھ رہا تھا جس طرح سے زندہ چڑیا کو آگ پر بھونا جا رہا ہو اور نہ اس کی جان نکل رہی ہو، اور نہ اُڑنے کی کوئی صورت ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں فرمایا: جیسے زندہ بکری کی کھال اُدھیڑی جا

رہی ہو۔ ایسے موت کی تکلیف ہوتی ہے۔

(التذكرة للقرطبي: ما جاء أن للموت سكرات)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی تمثیل

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت کعب اَحبار رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ موت کی تکلیف کو مثال سے بیان کریں۔ انہوں نے کہا: جی ہاں امیر المؤمنین! آپ اس طرح سمجھ لیں کہ ایک کانٹے دار ٹہنی ہو اور آدمی کے اندر اس کو داخل کر دیا جائے اور بدن کا ہر ہر جزو اس سے لپٹ جائے، پھر اسے واپس کھینچ لیا جائے، پھر داخل کیا جائے۔ اس طرح سے موت کی تکلیف ہوتی ہے۔ (الاستعداد للموت وسؤال القبر: 22/1)

یعنی رَگ رَگ کے اندر اس کی تکلیف کا اثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمت کا معاملہ فرمائے اور عافیت والا معاملہ فرمائے اور کلمے والی موت عطا فرمائے۔ باقی جو لوگ چلے جاتے ہیں ان کے بارے میں کیا حدیث میں حکم ہے؟

میت کی برائی کرنے کی ممانعت

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: مردوں کو بُرا مت کہو، جو انہوں نے کیا (بھلا یا برا) اس کا بدلہ پانے کے لیے وہ پہنچ گئے ہیں۔

(صحیح بخاری: باب ماینھی من سب الأموات، رقم 1329)

تمہارے لیے وہ ہے جو تم کرو گے، ان کے لیے وہ تھا جو انہوں نے کیا۔ اس لیے ان کے برے تذکروں کو چھوڑ دو۔ ان کی غیبت مت کرو۔ مُردوں کو بُرا کہنا بھی غیبت میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مردوں کو برا مت کہو کہ اس سے ان کے زندہ عزیزوں کو تکلیف

ہوتی ہے۔ (سنن ترمذی: رقم 1982)

مُردوں کو بُرا کہنے سے ایک تو غیبت کا گناہ ہوگا، اور دوسرے رشتے داروں کو اور میت سے محبت کرنے والوں کو تکلیف الگ ہوگی۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو دنیا سے جاچکے ہیں ان کی برائی بیان کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

جو اُن کا معاملہ تھا وہ ہوگیا۔ ہم اُن کو برا کہہ کر اپنا ہی کام خراب کررہے ہیں، اُن کا کچھ نہیں بگڑنا۔ اُن کا عمل تو بند ہوگیا۔ اب کیا کرنا چاہیے؟ میت کی تعریف کرنی چاہیے۔

میت کی خوبی بیان کرنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک جنازہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے سے گزرا۔ جب جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کے بارے میں اچھائی کی بات کی (کہ بڑا اچھا آدمی تھا)۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اس پر (جنت) واجب ہوگئی۔ کچھ دیر بعد ایک اور جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی برائی بیان کی۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اس پر (جہنم) واجب ہوگئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی! کیا چیز واجب ہوگئی؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کی اچھائی اور بھلائی بیان کی، تو اس پر جنت واجب ہوگئی۔ اور جس کے لیے برائی بیان کی اس پر جہنم واجب ہوگئی۔ تم لوگ زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔ (صحیح بخاری: رقم 1301)

مؤمن کی عند اللہ قدر و قیمت

مؤمن کی زبان سے نکلی ہوئی بات بڑی قیمتی ہوتی ہے۔ ہم لوگ تو کہہ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کہنے میں کیا رکھا ہے۔ یہ جو ہم نے کلمہ پڑھا ہے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، زبان کا اقرار ہی ہے ناں؟ ایمان لانے کے لیے کوئی پہاڑی تو نہیں چڑھنی پڑی۔ ذرا غور کریں کہ اللہ

کے ہاں ایمان والوں کی کتنی قیمت ہے۔ایک سو سال کا کافر، مشرک اور گناہ گار ڈاکو کلمہ پڑھتا ہے اور مسلمان ہوجاتا ہے۔ایک مثال اور سمجھ لیجیے! دو لوگ ہیں۔ایک خاتون اور ایک مرد۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہیں۔ دیکھنا حرام، بات کرنا حرام، ہاتھ لگانا حرام، ملاقات کرنا حرام، رابطہ حرام۔ نامحرم سے رابطہ نہیں کر سکتے۔ لیکن گواہوں کی موجودگی میں دونوں صرف اتنا کہہ دیں کہ ہمیں نکاح قبول ہے، تو نکاح ہوجاتا ہے۔اب کیا ہوا؟ جس کو دیکھنا حرام تھا وہ سب سے زیادہ قریب ہوگئی۔اس کو دیکھنا ثواب ہوگیا، اس کو خوش رکھنا عبادت بن گیا۔زبان ہی کے تو بول ہیں۔اور اگر ایسے لفظ خدانخواستہ بول دیے جو مناسب نہیں، تو جو سب سے قریب تھی وہ پھر دور ہو جائے گی۔زبان کے بول کی بڑی قیمت ہے۔اسی لیے دونوں فرشتوں کو بٹھایا ہوا ہے۔ جب ہم کسی کے بارے میں بات کریں تو کوشش کریں کہ اچھی ہی بات ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: جس مسلمان میت کے بارے میں اِردگرد کے چار پڑوسی کہہ دیں کہ یہ بڑا اچھا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تمہاری بات کو تسلیم کیا اور اس کی مغفرت کر دی جسے تم نہیں جانتے۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری: باب ثناء الناس علی المیت)

اس کے گناہ تو میں جانتا تھا تم نہیں جانتے تھے۔اس کی اچھائی کو تم جانتے تھے تو تم نے اس کی تعریف کی اور میں نے تمہاری گواہی کو قبول کیا۔اس حدیث میں تو چار اردگرد کے پڑوسیوں کا ذکر ہے۔مسند احمد کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تین اردگرد کے پڑوسیوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔بہر حال اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا معاملہ ہے۔

اسی لیے ہمیں چاہیے کہ مرنے والوں کی خوبیاں بیان کریں۔

قابلِ غور بات

تاہم اس بات میں شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تمام لوگوں کی تعریف کا اعتبار نہیں، اہلِ علم اور صُلحاء کی بات کا اعتبار ہے۔ بعض دفعہ کسی کا مزاج نہیں ملتا تو وہ اس کو بُرا کہنے لگتا ہے، یا کوئی بندہ ویسے ہی غصے میں یا دشمنی کی وجہ سے خلاف بات کر رہا ہے تو ایسے شخص کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ ربّ العزت نے بندے کو تعریف، پردہ پوشی اور لوگوں کی محبت سے نوازا ہے۔

جو لوگ ہماری تعریف کرتے ہیں تو یہ کوئی ہماری تعریف ہے؟ ہمارے تو عیب کھل کر اگر لوگوں کے سامنے آجائیں تو ہم پر کوئی پیشاب کرنا بھی پسند نہ کرے۔ لوگوں کی طرف سے تعریف، یہ اللہ تعالیٰ کے اِنعامات میں سے ایک انعام ہے۔ دوسری بات یہ کہ گناہوں کی پردہ پوشی ہے۔ اور ہماری آپس کی جو محبتیں ہیں یہ بھی اللہ کے انعامات میں سے ایک انعام ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں: اے دوست! جس نے تیری تعریف کی، درحقیقت اس نے تیرے پروردگار کی تعریف کی۔ اگر وہ اللہ تیرے گناہوں کو نہ چھپاتا تو تجھے تعریف کرنے والا دنیا میں کوئی نہ ملتا۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چند فرشتے زمین میں ایسے ہیں جو میت کی وہی اچھائی یا برائی کی بات کہتے ہیں جو لوگ کہہ رہے ہوتے ہیں۔ (مقاصد حسنہ: رقم 246)

اس لیے لوگوں کی نظر اور لوگوں کی رائے کی اللہ کے ہاں بڑی قیمت ہوا کرتی ہے۔

اب کسی کا انتقال ہو جائے تو کیا اعمال اختیار کریں؟

نعم البدل کی دعا کرنا

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو نبی علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ یوں دعا کرو:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلَهُ، وَ أَعْقِبْنِيْ مِنْهُ عُقْبٰى حَسَنَةً. (صحیح مسلم: رقم 919)

ترجمہ: ''اے اللہ! میری اور ان کی مغفرت فرما، اور مجھے ان سے بہتر نصیب فرما''۔

علماء نے فرمایا کہ خاوند کی وفات پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ دعا تعلیم فرمائی کہ اس موقع پر یہ دعا اللہ تعالیٰ سے کریں۔ اسی طرح کسی نگران کا، بڑے کا، امیر کا انتقال ہوجائے، تب بھی یہی دعا کی جائے کہ اللہ! ان کا نعم البدل عطا فرما۔

اِسترجاع کا عمل

اور جب کسی عام مؤمن کا یا بھائی کا انتقال ہوجائے تو حکم دیا کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھیں۔ کیا مطلب اس کا؟ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں، جو کچھ ہمارے پاس ہے اللہ ہی کا ہے اور ہم سب کو لوٹ کر اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔ ہم اپنے رب ہی کی طرف واپس جائیں گے۔ اے اللہ! اس مرنے والے کو اپنے ہاں صالحین لوگوں میں شامل فرما لیجیے، اور انہیں علیین میں جگہ عطا فرما دیجیے۔ ان کے بعد والوں کو ان کا نائب بنا دیجیے۔ اے اللہ! ان کی وفات سے ہمیں جو تکلیف پہنچی ہے، اس کے اجر سے محروم نہ کرنا۔ اور ان کے بعد ہمیں کسی آفت میں مبتلا نہ کرنا۔ اس طرح کی دعاؤں کا مختلف احادیثِ شریفہ میں ذکر ہے۔

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب کسی میت کے پاس جاؤ تو اس وقت بھلائی کی بات ہی کہو، فرشتے اس وقت تمہاری دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔ (صحیح مسلم: رقم 919)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے تو حالتِ سفر میں انہیں اپنے بھائی قثم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔ ان کی قبر مشہور قول کے مطابق ازبکستان کے شہر سمرقند میں ہے۔ الحمدللہ! وہاں اُن کی قبر پر جانا ہوا۔ جب حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے بھائی کی اطلاع ملی تو انہوں نے کیا کہا؟ إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. اونٹ کو روکا۔ راستے سے ایک طرف ہٹ کر اُترے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ تھوڑی دیر تک بیٹھ کر دعا کرتے رہے۔ پھر واپس سواری کی طرف آئے اور یہ آیت پڑھی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرة:153)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو''۔

(فتح الباري: باب الصبر عند الصدمة الأولى، وسير أعلام النبلاء: من صغار الصحابة قثم بن العباس)

یہ طریقہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اس لیے جب کسی کے انتقال کی خبر مل جائے تو إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھ لیا جائے اور دو رکعت نفل پڑھ کر دعائے خیر کی جائے۔ اور معاملے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا جائے۔ اللہ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آج پتا نہیں ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو جانتے ہی نہیں۔

چھوٹے بچوں کا انتقال کر جانا

اللہ تعالیٰ کی منشا ہے کہ بعض مرتبہ نابالغ بچے بھی دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ اس کی حکمت بھی بڑی عجیب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث میں ہے کہ میری اُمت میں اگر کسی کے دو نابالغ بچے مر جائیں، وہ دونوں اپنے ماں باپ کو جنت میں داخل کرائیں گے۔ (فتح الباری: تحت باب فضل من مات له ولد فاحتسب...)

چھوٹے بچے جب دنیا سے چلے جاتے ہیں تو یہ والدین کے لیے خیر کا ذریعہ بنتے ہیں۔ کسی کے دو ہوں، کسی کے تین ہوں اور غالبًا ایک حدیث میں ایک پر بھی فضیلت ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی لمبی حدیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا: جس نے تین بچوں کو دفن کیا اور صبر کیا ثواب کی امید کرتے ہوئے، اس کے لیے جنت واجب ہے۔

یہاں دو چیزیں ہیں کہ بچے کے انتقال کے بعد صبر بھی کیا اور ثواب بھی سمجھا۔ کوئی غلط بات نہیں کی، کوئی جزع فزع نہیں کیا تو جنت واجب ہے۔

اس موقع پر حضرت اُمّ اَیمن رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! اگر کسی کے دو ہوں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تب بھی یہ فضیلت ہے۔ حضرت اُمّ اَیمن رضی اللہ عنہا نے پھر پوچھا کہ اور اگر کسی کا ایک ہی بچہ ہو تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا: اے اُمِّ اَیمن! جس نے ایک کو دفن کیا، اس پر صبر کیا اور ثواب سمجھا، تو اس کے لیے بھی جنت واجب ہوجائے گی۔ (فتح الباري: تحت باب فضل من مات له ولد فاحتسب)

شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ جس نے ثواب نہ سمجھا اور اللہ کے فیصلے پر راضی نہ رہا، اسے کوئی ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ ہاں! دل سے غمگین ہونا، آنکھوں سے رونا یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، اس سے ثواب میں کمی نہیں ہوتی۔

بالغ اولاد کا انتقال کر جانا

ایک تو وہ بچے ہوتے ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے چلے جاتے ہیں۔ اب اس میں ایک بات یہ بھی آتی ہے کہ آج کل جہاں حالات جا رہے ہیں کہ جب اولاد بالغ ہوجاتی ہے اور فوت ہوجاتی ہے تو اس کا معلوم نہیں کہ جنت میں جائے گی یا جہنم میں؟ پھر تربیت

صحیح کر پائیں گے یا نہیں؟ وہ ہمارے لیے صالحات میں سے بنے گی، یا شرمندگی کا باعث؟ دنیا اور آخرت میں ذریعہ نجات بنے گی یا نہیں؟ کوئی معلوم نہیں۔ کوئی گارنٹی نہیں۔ لیکن وہ چھوٹے بچے جو نابالغی میں دنیا سے چلے گئے، وہ ہمارے لیے خیر کا ذریعہ بنیں گے۔ حتیٰ کہ صرف وہ بچے نہیں جو پیدا ہوئے، بلکہ حمل ساقط ہونے کی پوزیشن میں بھی یہی ثواب لکھا گیا ہے۔

نومولود یا نا تمام بچہ کا انتقال کرنا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! نا تمام (مرنے والا) بچہ اپنی ماں کو جنت میں کھینچ کر لے جائے گا اگر ماں نے اس پر صبر کیا۔ (سنن ابن ماجہ: رقم 1609)

اب جس بچے کو چار مہینے گزر چکے ہوں اور اس کے بعد کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے حمل ساقط ہو گیا اور عورت نے اس پر صبر کیا تو وہ بھی اس ثواب میں اِن شاء اللہ العزیز آجائے گی۔ اور بعض علمائے کرام نے اس کی تصریح کی ہے کہ نا تمام ساقط بچہ قیامت کے دن اپنے والدین کے حق میں شفاعت کرے گا۔

وفات پر رونے کا مطلب

کسی عزیز کی وفات پر انسان روتا بھی ہے۔ یہ رونا تو نبی علیہ السلام سے ثابت ہے، مگر شور کرنا، چلانا منع ہے۔ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آخری حالت میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اٹھایا، بوسہ دیا اور سونگھا، تو نبی علیہ السلام کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرات ٹپکنے لگے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بڑے تعجب سے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ رو رہے

ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ رحمت (شفقت) کی وجہ سے ہے۔ اس کے بعد آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا:

إنّ العين تدمع، والقلب يحزن، ولا نقول إلا ما يرضى ربّنا، وإنّا بفراقك يا إبراهيم - لمحزونون. (صحيح البخاري: رقم 1241)

ترجمہ: "بے شک آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، اور دل غمگین ہے، اللہ پاک کی مرضی کے علاوہ ہم کچھ نہیں کہتے۔ اے ابراہیم! تمہاری جدائیگی سے ہم غمگین ہیں"۔

حضرت ابراہیم حضرت محمد ﷺ کے بیٹے کا نام تھا۔ آپ ﷺ سے رونا ثابت ہے، مگر زور سے چلانا، واویلا کرنا، پیٹنا یہ میرے نبی ﷺ کی سنت ہرگز نہیں ہے۔

میت پر نوحہ کرنے والوں کو روکنا

جب کسی میت کے موقع پر عورتیں آجاتی ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حضور نبی علیہ السلام کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی تو عورتیں رونے لگیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں اپنا کوڑا دکھا کر روکنے لگے کہ شور مت مچاؤ۔ نبی علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے عمر! انہیں چھوڑو۔ پھر عورتوں سے فرمایا: رو، مگر شیطان کا رونا نہ رو (اونچی آواز سے نہ رو)۔ پھر دوبارہ ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ مَهْمَا كَانَ مِنَ الْعَيْنِ وَالْقَلْبِ ، فَمِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ، وَمِنَ الرَّحْمَةِ ، وَمَا كَانَ مِنَ الْيَدِ وَاللِّسَانِ ، فَمِنَ الشَّيْطَانِ. (مسند أحمد: رقم 2048)

ترجمہ: "بسا اوقات رونا آنکھ اور دل سے ہوتا ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، رحمت کا سبب ہے۔ اور جو رونا ہاتھ سے (یعنی سینے کو، جسم کو پیٹنے سے) اور زبان سے ہوتا ہے، یہ شیطان کی جانب سے ہے"۔

اور آج کل تو الامان و الحفیظ پروفیشنل میت پر رونے والی عورتیں مل جاتی ہیں۔ یاد رکھیں! اُن پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں برستی ہیں۔ اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ تو میت کے موقع پر رونا ثابت ہے۔ لیکن شور مچانا، چلانا، بین کرنا، نوحہ کرنا، اور ایسی عورتوں کو جمع کرنا، یہ سب چیزیں نبی علیہ السلام نے نہیں بتائیں۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رونا

امی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر نبی علیہ السلام نے اُن کا بوسہ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آنسوؤں کے قطرات گر رہے تھے۔ اور حضرت امی عائشہ، حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جنابِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسدِ اطہر کا بوسہ لیا۔

(سنن ترمذی: باب ما جاء في تقبيل الميت، رقم989)

حضرت اَنس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب نبی علیہ السلام کی صاحبزادی کے جنازے میں جب شریک ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے پاس تھے۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ (صحیح بخاری: رقم1225)

کسی عزیز یا گھر والوں کی میت پر رونا، اگر شریعت کے مطابق ہو تو بہت قیمتی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا معاملہ فرمائے! کتابوں میں یوں تو بہت ساری باتیں لکھی ہوئی ہیں یہ ایک بڑی عجیب بات لکھی ہوئی ہے کہ میں حیران ہو گیا۔

فسق و فجور کی وجہ سے رکاوٹ

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث ابن حبان کے حوالے سے لکھی ہے کہ جس گھر میں میت ہو وہاں آخری وقت میں فاجر اور فاسق لوگوں کو نہیں ہونا چاہیے۔ بے نمازی لوگوں کو، بے پردہ لوگوں کو وہاں نہیں ہونا چاہیے کہ اس وقت ایمان والے پر اللہ کی رحمت اُترے گی اور ان لوگوں کی وجہ سے فرشتوں کو رکاوٹ پیدا ہوگی۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ آخری وقت میں صالحین اور اہلِ تقویٰ ہونے چاہیے۔ تھوڑے ہوں یا زیادہ، نیک لوگ ہوں۔ بے پردہ عورتیں نہ ہوں، بے نمازی لوگ نہ ہوں، فاسق اور فاجر قسم کے لوگ نہ ہوں۔ یہ بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا معاملہ فرمائے! اور جب ہماری موت کا وقت آئے تو نیک لوگ ہی ہمارے قریب ہوں، شریعت اور سنت کے مطابق تلقین بھی کر رہے ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.



کن حالات میں موت افضل ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ o

(سورۃ یوسف:101)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَ سَلِّمْ

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا

اوپر خطبہ میں جو آیت پڑھی گئی یہ سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا ہے۔

یہ دعا بھی مانگتے رہنا چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا:

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝

(سورۃ یوسف: 101)

ترجمہ: ''میرے پروردگار! تُو نے مجھے حکومت سے بھی حصہ عطا فرمایا، اور مجھے تعبیرِ خواب کے علم سے بھی نوازا۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تُو ہی دنیا اور آخرت میں میرا رکھوالا ہے۔ مجھے اس حالت میں دنیا سے اُٹھانا کہ میں تیرا فرماں بردار ہوں، اور مجھے نیک لوگوں میں شامل کرنا''۔

آج کی مجلس کی بات یہ ہے کہ کس وقت اور کس حالت کی موت افضل ہے؟ کن اوقات کی موت افضل ہے؟ کن بیماریوں میں موت سے شہادت کا رُتبہ مل جاتا ہے؟ اس کے بارے میں چند باتیں سن لیجیے!

حدیثِ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کی موت رمضان المبارک میں ہو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس کی موت عرفہ کے دن ہو یعنی حج کے دن وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس کی موت صدقہ کرنے کے بعد ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: رقم668)

یہاں تین باتیں بتائیں: 1 رمضان المبارک 2 حج کا دن 3 صدقہ۔

ان تینوں اعمال سے ہوتا کیا ہے؟ یہ کیوں جنت میں لے جاتے ہیں؟ دیکھیے! رمضان المبارک میں روزے رکھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حج کی ادائیگی سے

گناہ معاف ہوتے ہیں۔ صدقہ بری موت کو ٹالتا ہے اور صدقہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور جنت میں جانے سے جو چیز رکاوٹ بنتی ہے وہ کیا چیز ہے؟ وہ گناہ ہیں۔ اب جس کے گناہ نہ ہوں وہ کدھر جائے گا؟ جنت میں۔ جب گناہ ہی معاف ہو گئے تو جنت ہی جنت ہے، آسانی ہی آسانی ہے۔

لیکن یہاں پر ایک بات اور بھی ہے کہ جب دخولِ جنت کے لیے کسی پر حقوق العباد کی ادائیگی باقی نہ ہو۔ اگر کسی پر حقوق کی ادائیگی ہے تو وہ ایک الگ بات ہے۔ ایک عام بات یہ ہے کہ جو آدمی حقوق العباد ادا کر رہا ہے، اس سے بڑا گناہ ہو جائے تو وہ توبہ کرتا رہے۔ اب مغفرت اس کی رحمت ہی کے آسرے پر ہے کہ رمضان میں موت آجائے، یا حج کے دن عرفات کے میدان میں موت آجائے، یا صدقہ کرنے کے بعد موت آ گئی تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے معافی کی اُمید رکھتے ہوئے مغفرت کا سامان ہو سکتا ہے۔

حدیثِ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی مسلمان بندہ جمعہ کے دن یا رات میں مرجائے، اللہ تعالیٰ اسے عذابِ قبر سے محفوظ فرماتے ہیں۔ (سنن ترمذی: رقم 1074)

علماء نے ایسے شخص کی تین فضیلتیں لکھی ہیں:

1. فتنہ قبر سے محفوظ یعنی قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔
2. قبر میں حساب وکتاب کے معاملے سے بچ جائے گا۔
3. شہادتِ اُخروی کا بدلہ ملے گا۔

شہید دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک شہیدِ آخرت اور ایک شہیدِ حقیقی۔ کچھ بیماریاں

ایسی ہیں کہ انسان ان بیماریوں میں آجائے تو شہیدِ آخرت کہلایا جائے گا۔ اسے شہادت کا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ باوضو موت آنے پر شہادت کا ثواب مل جاتا ہے۔

وفات اور اُٹھائے جانے کی حالت

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی دن روزہ رکھا اور پھر اس کا انتقال ہوگیا اسی حالت میں تو وہ جنت میں (ضرور) جائے گا۔ (مسند احمد: رقم 22235)

جب نفلی روزہ رکھ کر مرنے والے کی اتنی فضلیت ہے تو فرض روزے کی کیا کچھ بات ہوگی۔ اپنی حالت کو سنوارنا اعمال کے اعتبار سے، اللہ کی رضا کے لیے بہت ضروری ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت منقول ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

یُبْعَثُ کُلُّ عَبْدٍ عَلَی مَا مَاتَ عَلَیْهِ. (صحیح مسلم: رقم 5126)

ترجمہ: ''ہر آدمی قیامت کے دن اسی حالت پر اُٹھایا جائے گا جس پر اس کا انتقال ہوا ہے''۔

علامہ اِبنُ الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس حالت پر آدمی کو موت آتی ہے، اس پر اس کی مہر لگادی جاتی ہے، اب یہ قیامت کے دن اسی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

(کشف المشکل من حدیث الصحیحین: 1/751)

اب اگر روزے کی حالت میں موت آگئی تو قیامت کے دن روزے کی حالت میں، نماز کی حالت میں موت آگئی تو نماز کی حالت میں، اللہ کو یاد کرتے ہوئے موت آگئی تو ذکر کی حالت میں اُٹھایا جائے گا۔

کلمہ توحید کی قیمت

حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ کو ہر اس شخص پر حرام کر دیا ہے جس نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہا ہو اور اس کے ذریعہ سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی چاہتا ہو۔
(صحیح بخاری: رقم 425، صحیح مسلم: رقم 33)

جس شخص نے کلمہ توحید کا اقرار کیا، اور پھر اس کلمہ کے مطابق زندگی گزاری کہ اس کی زندگی کا مقصد ہی اللہ کو راضی کرنا تھا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا اِعزاز فرماتے ہیں اور اس کے لیے دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتے ہیں۔ اب یہ شخص اسی حالت میں مرجاتا ہے تو سیدھا جنت میں جائے گا۔

باوضو موت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے میرے بیٹے! اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ تم باوضو رات گزارو، تو تم ایسا کرو، اس لیے کہ جس کے پاس ملک الموت آئے اور اس وقت وہ وضو کی حالت میں ہو تو اسے شہادت کا ثواب دیا جائے گا۔ (معجم اوسط: رقم 5991)

اگر ہم باوضو زندگی گزاریں گے تو اِن شاء اللہ باوضو موت آئے گی۔ فرشتے پاک ہیں، صفائی کو پسند کرتے ہیں، طہارت کو پسند کرتے ہیں۔ جب کسی باوضو کے پاس آتے ہیں تو اس کے لیے اللہ ربّ العزّت رحمتوں کا ثواب لکھ دیتے ہیں۔

بیماری کی حالت میں انتقال ہونا

بیماری اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔ بہت ساری بیماریاں ایسی ہیں جس میں انسان

اگر مبتلا ہوجائے اور اسی میں وفات ہوجائے تو وہ شہیدِ آخرت ہے۔

ابن ماجہ میں آپ ﷺ سے ارشادِ مبارک مروی ہے کہ جو شخص بیماری کی حالت میں مرتا ہے، وہ شہید ہوتا ہے، قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے، اور صبح وشام اسے جنت کا رزق پہنچایا جاتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: رقم 1615، بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہید پانچ ہیں: 1 طاعون میں مرنے والا 2 پیٹ کی کسی بیماری کی وجہ سے مرنے والا 3 ڈوب کر مر نے جانے والا 4 اُوپر سے نیچے گر کر مرنے والا 5 اللہ پاک کے راستے میں جان دینے والا۔ (صحیح بخاری: رقم 2674، صحیح مسلم: رقم 1914)

پیٹ کی بیماری ایک Common جملہ ہے۔ اس میں بہت ساری مہلک بیماریاں بھی آجاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ڈائریا ہے، ہیضہ ہے، بلکہ Diabetes بھی پیٹ کا مسئلہ ہے۔ Digestive System میں Problem ہوجاتی ہے۔ جو انسان کھاتا ہے وہ صحیح جگہ جانے کے بجائے کسی اور جگہ پہنچ جاتا ہے۔ اور گردوں کا Function اور باقی چیزوں کا Function ٹھیک طرح سے کام نہیں کرتا۔ انسان زیادہ کھا نہیں پاتا۔ جتنا کھاتا ہے اس کو نقصان پہنچ رہا ہوتا ہے۔ شوگر زیادہ بن رہی ہوتی ہے۔ یہ سب پیٹ کی بیماری کی صورتیں ہیں۔

امتِ محمدیہ کے شہداء

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: تم کسے شہید شمار کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا شہید ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جسے موت آجائے، اس کے علاوہ باقی

سات قسم کے شہید ہیں: طاعون کی بیماری میں مرنے والا، ڈوب جانے والا، زخموں کی تاب نہ لاکر مرنے والا، پیٹ کی بیماری کی سے مرنے والا، جل کر مرنے والا، نیچے گر کر مرنے والا، درد ِزہ سے مرنے والی عورت شہید ہے۔ (سنن ابی داؤد: رقم 3111)

اس سے معلوم ہوا کہ بے شک وہ بھی شہید ہے جو دین کا علم سیکھنے نکلا ہوا اور اسے موت آ گئی، دعوتِ تبلیغ کے لیے نکلا ہو، دین کی کسی بھی محنت کے لیے، پڑھنے پڑھانے کے لیے نکلا اور اس کا انتقال ہو گیا تو وہ بھی شہید ہے۔ اگر چہ وہ اپنے بستر پر مرا ہو، لیکن اس کی نیت ہر صورت اِعلائے کلمۃ اللہ کی تھی تو اللہ تعالیٰ اسے شہداء کی صف میں کھڑا کریں گے۔ جن کا اللہ تعالیٰ ہاں ایک خاص مرتبہ ہے۔

مال اور عزت آبرو کی حفاظت

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا، وہ شہید ہے۔ جو اپنے اہلِ خانہ کی حفاظت میں مارا گیا، وہ شہید ہے۔ جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا گیا، وہ شہید ہے۔ جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا گیا، وہ شہید ہے۔ (سننِ ترمذی: رقم 1421)

ایک حدیث میں بڑی پیاری بات آئی ہے۔ حضرت سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اللہ تعالیٰ سے صدقِ دل سے شہادت مانگے، اللہ تعالیٰ اسے شہیدوں کے درجے پر پہنچا دیتے ہیں اگر چہ اس کی موت اس کے بستر پر ہوئی ہو۔ (صحیح مسلم: رقم 1909)

طلبِ علم کے دوران موت

ایک لمبی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہما دونوں حضرات

فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ طالبِ علمی کی حالت میں مرنے والا شہید ہے۔ (جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبد البرّ: رقم90)

سبحان اللہ! ہمارے جامعہ میں ایسی طالبات ہیں جن کی شادیاں نہیں ہوئیں۔ ایسی بھی ہیں جو شادی شدہ ہیں۔ اور ایسی بھی ہیں جو 60 سال کی ہو چکی ہیں اور انہوں نے علم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لیا ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے کہ انسان اگر دورانِ تعلیم دنیا سے چلا جائے۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طالبِ علمی کی حالت میں انتقال کرنے والا شہید ہے۔ سبحان اللہ! واضح رہے کہ اس سے مراد دین کی تعلیم ہے۔ جو وحی کی تعلیم ہو، قرآن کی تعلیم ہو، حدیث کی تعلیم ہو۔ اس تعلیم کے دوران اگر کوئی انتقال کر جائے تو وہ شہید ہے۔

طالبِ علمی کا زمانہ تو بڑی برکتوں والا زمانہ ہے۔ زندگی بھر انسان طالب بن کر رہے، اپنے آپ کو عالم نہ سمجھے۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ علم کی طلب میں رہو اور طالبِ علم کی حیثیت سے رہو، تو جب موت آئے گی تو اِن شاء اللہ شہادت کی موت آئے گی۔ اپنے آپ کو طالبِ علم کے علاوہ کچھ نہ سمجھو۔ ساری زندگی طالبِ علم بن کر رہو۔ ہر وقت انسان سیکھتا ہے۔ ہر ایک سے انسان سیکھتا ہے۔ انسان طالب علم ہی رہے کہ طالب علمی کے زمانے میں انتقال کرنے والا شہید ہے۔

اسی طرح جو پیٹ کی بیماریاں ہیں، یا جسم میں کسی بھی حصہ کا کینسر ہے، یا پھوڑے وغیرہ کی بیماری ہے، یہ سب شہادت میں داخل ہیں۔

مختلف شہدائے اُمت

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو

شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ اس پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی باتیں لکھی ہیں۔ مختلف اَحادیث سے وہ لکھتے ہیں کہ جو جمعہ کے دن مرجائے وہ شہید ہے۔ جو علم کی طلب میں مرجائے وہ بھی شہید ہے۔ علم کو پھیلانے والا، اس کی ترویج کرنے والا، علم کی طلب میں مشغول رہنے والا، اگر زندگی بھر یہی کام کرتا رہا تو یہ بھی شہید ہوگا، تدریس اور تالیف میں مشغول رہنے والا بھی انتقال کرجائے تو وہ بھی آخرت کے اعتبار سے شہید شمار کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ مِرگی سے مرنے والا، ظلمت اور قیدوں میں مرجانے والا، ثواب کی نیت سے اَذان دینے والا بھی شہیدِ اُخروی ہے۔ ایسے ہی سچا تاجر جو اولاد یعنی گھر والوں کے نفقہ کے لیے حلال کمائی کرنے والا ہو، وہ بھی شہید ہوگا۔ سمندر کے سفر میں متلی آجائے اور اس سے انتقال کرنے والا بھی شہید ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ روزانہ موت کو بیس مرتبہ یاد کرنے والا بھی شہید ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِيْ فِي الْمَوْتِ وَفِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ. (فيض القدير عن تذكرة القرطبي: 84/2)

اور فرمایا کہ ترکِ سنت کے زمانے میں سنت پر عمل کرنے والا بھی شہید ہوگا۔ آج کل ترکِ سنت کا زمانہ ہے۔ سنت کے تارک کو عزّت دی جاتی ہے اور سنت پر عمل کرنے والے کو دقیانوسی اور جاہل کہا جاتا ہے۔ تو اس دور میں سنت پر عمل کرنے والا اگر زندگی بھر یہی کام کرتا رہا اور گھر میں مرا تو اِن شاء اللہ وہ بھی شہید ہوگا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ترکِ سنت کے زمانے میں سنت پر عمل کرنے والا شہید ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ مرض الموت میں چالیس مرتبہ آیتِ کریمہ پڑھنے والا بھی شہید ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الأنبياء: 87)

ایک مرتبہ ہی عمل کرنا ہے کہ چالیس مرتبہ آیتِ کریمہ پڑھنی ہے۔ اگر اسے شفا ہوگئی تو سارے گناہ معاف ہو جائیں گے، اور اگر اس مرض میں موت آ گئی تو شہیدِ آخرت ہوگا۔ دو تین منٹ کا عمل ہے اور شہادت کی نعمت مل جاتی ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ ہر رات سورۂ یٰس پابندی سے تلاوت کرنے والے کی موت بھی شہادت کا درجہ رکھتی ہے۔ اور فرمایا کہ باوضو مرنے والا بھی شہید ہے۔ اور اس سے اگلی بات بہت ہی عجیب ہے۔ فرمایا کہ جائز عشق میں مرنے والا بھی شہید ہے۔ اب یہاں اس سے کیا مراد ہے؟

ناجائز محبت سے دل صاف رکھنے والا

ایک حدیث حضرت جی دامت برکاتہم سے سنی غالباً اس کے الفاظ یہ تھے:

کسی آدمی کی نامحرم پر اچانک نظر پڑ گئی اور اس کی خوبصورتی دل میں گھر کر گئی۔ دل میں اس کی محبت اور اس کو پانے کی چاہت پیدا ہوگئی، لیکن اس نے اپنی نظروں کو جھکا لیا اور مرتے دم تک کوئی غیر شرعی عمل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ اس کے دل میں عبادت کی وہ حلاوت پیدا فرمائیں گے جسے یہ قیامت تک محسوس کرے گا۔ جب اس نے اپنے دل کا خون کیا۔ یہ اپنے دل کے خون کی وجہ سے شہیدِ آخرت کہلائے گا۔ اس نے اپنے دل کی کیفیت کو زندگی بھر چھپائے رکھا، نہ کسی سے اظہار کیا، نہ خلافِ شریعت کام کیا، نہ کوئی غلط رابطہ کیا، بس اللہ ہی کی طرف متوجہ رہا تو ایسا شخص شہید کہلائے گا۔

شہادتِ دنیاوی اور شہادتِ اُخروی

علمائے کرام نے پچاس تک مختلف لوگ لکھے ہیں جو شہیدِ اُخروی کہلاتے ہیں۔ اصل میں احکامات کے لحاظ سے شہید دو طرح کے ہیں: ایک تو شہیدِ حقیقی۔ یہ دنیا اور آخرت دونوں میں شہید ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ جو مسلمان کافروں کے ساتھ لڑائی میں شہید

ہوجاتے ہیں، ان کو غسل نہیں دیا جاتا، ان کو کفن نہیں دیا جاتا۔ یہ اپنے خون میں نہا چکے ہوتے ہیں، لہٰذا انہیں پانی کے غسل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے کپڑوں پر جو خون کے دھبے لگ جاتے ہیں وہ اللہ کو پیارے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ان کو کفن پہنانے کی بھی ضرورت نہیں، ان کو اسی حالت میں میرے پاس آنے دو۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ میرے لیے قربان کر دیا۔ اس لیے انہیں نہ کفنایا جاتا ہے، نہ نہلایا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی محبت میں نہا چکے ہوتے ہیں۔

باقی جو دوسرے درجے کے شہید ہیں ان کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی ادنیٰ رحمت سے شہداء کی صف میں کھڑا فرما دیں گے۔ لیکن دنیا میں ان کو کفن بھی دیا جائے گا اور غسل بھی دیا جائے گا۔ عام میت والا معاملہ ہوگا جس طرح دوسرے لوگوں کا ہوتا ہے۔ شہیدِ حقیقی والا معاملہ نہیں ہوگا، البتہ قیامت کے دن نبی علیہ السلام کی دعاؤں کی برکت سے اُمت کے اِن لوگوں کو اللہ تعالیٰ شہیدوں میں کھڑا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اچھی موت عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق

حضرت عُبَادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ.

(صحيح البخاري: رقم 6026)

ترجمہ: ’’جو اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جو اللہ سے ملاقات کو پسند نہیں کرتا، تو اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند نہیں کرتا‘‘۔

حضرت عُبَادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے یا کسی اور زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا نے عرض

کیا: اے اللہ کے نبی! ہم میں سے تو کوئی بھی موت کو پسند نہیں کرتا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ایسی بات نہیں ہے۔ جب مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے اس کو جنت کی اور اس کی نعمتوں کی خوشخبری سنائی جاتی ہے، تو اسے وہ نعمتیں دنیا کے مقابلے میں بڑی اچھی لگتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو پسند کرنے لگتا ہے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتے ہیں۔ اور جب کافر کو اللہ کے عذاب اور سزا کی خوشخبری دی جاتی ہے تو وہ اس سے گھبرا جاتا ہے اور مرنا نہیں چاہتا اور اللہ سے ملنا نہیں چاہتا، تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عافیت والی موت عطا فرمائے۔ عافیت والی زندگی عطا فرمائے۔ اور ایسی موت عطا فرمائے کہ جب قیامت والے دن اللہ سے ملاقات ہو تو اللہ ہمیں دیکھ کر مسکرائیں اور ہم اللہ کو دیکھ کر مسکرائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

موت کے بعد کفن اور غسل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ o

(سورۃیوسف:101)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

ہمیشہ کا ساتھی

ہر انسان کے تین بھائی ہیں: 1 مال 2 رشتے دار 3 نیک اعمال۔

ایک بھائی کو مال سے تعبیر کیا گیا کہ جیسے ہی سانس نکل جاتی ہے، وہ مال والا بھائی انسان کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے، جدا ہو جاتا ہے، پھر کسی اور کا ہو جاتا ہے۔ دوسرا بھائی وہ ہے جو قبر میں دفن کرنے تک ساتھ دیتا ہے، پھر واپس لوٹ آتا ہے۔ یہ رشتہ دار ہیں۔ تیسرا بھائی وہ ہے جو ہمیشہ ساتھ رہتا ہے۔ وہ نیک اعمال ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا کفن اور تدفین

مسلمان کا غسل، کفن، دفن یہ سب چیزیں سنت ہیں۔ اور اس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اپنے بیٹوں سے کہا کہ بیٹو! مجھے جنت کا پھل چاہیے۔ چناں چہ ان کے بچے وہ پھل تلاش کرنے باہر نکلے اور فرشتوں سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ فرشتوں کے پاس کفن، خوشبو، کلہاڑی اور ایک تھیلی تھی۔ فرشتوں نے کہا کہ اے آدم کے بیٹو! تمھیں کیا چاہیے اور تم کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہمارے والد بیمار ہیں اور انہوں نے جنت کے پھل کی فرمائش کی ہے۔ فرشتوں نے کہا: واپس چلے جاؤ، تمہارے والد کا وقت آپہنچا ہے۔ چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے واپس آگئے۔ حضرت حواء رضی اللہ عنہا نے جب انہیں خالی ہاتھ لوٹتے دیکھا تو سمجھ گئیں کہ یہ حضرت آدم کا آخری وقت ہے۔ چناں چہ وہ حضرت آدم کی طرف بڑھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو۔ میرے رب کے فرشتوں اور میرے درمیان اب کوئی نہ آئے۔ پھر فرشتوں نے ان کی روح قبض کر لی اور انہیں غسل دیا، کفن پہنایا، خوشبو لگائی، ان کے لیے قبر بنائی اور اس میں اُتارا، اور نماز پڑھی، قبر کو بند کیا اور اس پر اینٹیں رکھیں۔ پھر قبر سے باہر نکلے تو اپنے ہاتھوں کو جھاڑا اور بنی آدم سے کہا کہ اے آدم

کے بیٹو! تمہارے مرنے والوں کا طریقہ آج سے یہی ہے۔
(مسند احمد: رقم 20734)

بیری کے پتوں سے غسل

طبرانی شریف کی روایت میں ہے کہ ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بیری کے پانی سے غسل دیا، کفن پہنایا، اس کے بعد بغلی قبر کھودی، پھر اس میں دفن کیا۔ پھر کہا کہ تمہارے مُردوں کے دفن کا یہی طریقہ ہے۔ اس سے پہلے انسان کو معلوم نہیں تھا۔ بہر حال غسل دینے کی فضیلت بھی ہے اور اس کا ثواب بھی ہے۔ اور اس میں احتیاط بھی ہے کہ غسل دینے والا امانت دار ہے۔

میت کو غسل دینے کی فضیلت

میت کو غسل دینا ایک بلیغ نصیحت ہے۔ اگر کسی قریبی رشتے دار کا انتقال ہو جائے اور آپ غسل دینے چلے جائیں تو غسل دینے کا منظر ایسا ہوتا ہے کہ اس سے بڑی نصیحت بہت مشکل ہے۔ غسل دیتے وقت کبھی کچھ باتیں بھی سامنے آتی ہیں۔ وہ باتیں اچھی ہیں یا بری؟ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مسلم میت کو غسل دیا اور اس کے عیب کو چھپا دیا، اللہ تعالیٰ اس کی چالیس مرتبہ مغفرت فرماتے ہیں۔ (ترغیب وترہیب: 368/3)

اگر کسی نے غسل دیتے وقت میت میں کوئی عیب دیکھا کہ رنگ کالا ہو گیا ہے، یا منہ سے جھاگ نکل رہا ہے، یا اس کی بغلوں کے یا زیرِ ناف بالوں کو دیکھا کہ بہت بڑے ہوئے ہیں۔ ایسی باتیں دوسروں سے کہنا مناسب نہیں ہے۔ غسل دینے والے کو چاہیے

کہ یہ باتیں کسی کو نہ بتائے۔اس پر اس غسل دینے والے کے لیے کتنا زبردست اجر ہے کہ ایک دو نہیں، چالیس مرتبہ اسے مغفرت کا پروانہ ملے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو بندہ دوسرے مسلمان کی پردہ پوشی دنیا میں کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت میں پردہ پوشی فرمائیں گے۔(صحیح مسلم: رقم2699)

حدیث میں ہے کہ جسے اپنے مسلمان بھائی کی کسی برائی کا پتا چلا اور اس نے اسے چھپایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس (کے گناہوں) پر پردہ ڈالیں گے۔(مجمع الزوائد: 138/1)

ذرا غور تو کیجیے کہ اللہ کو اپنے بندوں سے کتنا پیار ہے۔اللہ چاہتے ہیں کہ زندوں کی بھی پردہ پوشی کی جائے اور مُردوں کی بھی پردہ پوشی کی جائے۔ہاں! اگر غسل دینے والا کوئی اچھی بات دیکھے مثلاً خوشبو کا مہکنا، یا دانتوں اور آنکھوں کا چمکنا، یا چہرے پر بہت زیادہ نور کا ہالہ بنا ہونا، یا کسی بھی قسم کی ایسی کیفیت جو میت کے لیے باعثِ فضیلت ہو، ایسی بات بتانا مستحب ہے، اس کو نہ چھپائے۔البتہ کوئی عیب ہو تو ضرور چھپائے۔

قبرستان جانا

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے اپنی اُمت کو نصیحت فرمائی۔حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، اب مجھے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مل گئی ہے، تو تم قبروں کی زیارت کیا کرو، یہ قبریں آخرت یاد دلاتی ہیں۔

(سنن الترمذي: رقم1054، باب ما جاء في الرخصة في زيارة القبور)

میت کو کفنانے اور قبر کھودنے کی فضیلت

میت کو غسل دینے کی فضیلت ابھی اوپر حدیثِ ابو رافع رضی اللہ عنہ میں بیان ہوئی۔ اسی حدیث میں میت کو کفن پہنانے اور قبر کھودنے کی فضیلت بھی آئی ہے۔ ان تینوں کاموں کے بڑے بڑے ثواب نبی علیہ السلام نے بتائے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کسی مردے کو کفن دے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے دبیز ریشم کا جوڑے پہنائے گا۔ جو میت کے لیے قبر کھودے گا اور اسے اس میں دفن کرے گا، اسے وہ اجر ملے گا جیسا کسی نے کسی کو قیامت تک گھر بنا کر دیا ہو (اس کا ثواب قیامت تک جاری رہے گا)۔

(ترغیب وترہیب: 3/368)

دنیا میں اگر کسی کو مکان دے دیں، اس میں 20 یا 50 سال رہے گا کہ آخر قبر میں جانا ہے۔ لیکن کسی کی قبر کا انتظام کر دیا تو قیامت تک مکان دینے کا ثواب ملے گا۔ ان سارے اعمال پر اللہ تعالیٰ بڑی بڑی نیکیاں عطا فرماتے ہیں اگر صحیح طور سے ان اعمال کو انجام دیا جائے۔ اور صحیح نیت سے یہ اعمال کیے جائیں۔ اسی طرح مختلف روایات میں ہے کہ جو کسی غم زدہ کو تسلی دے گا، اللہ تعالیٰ اسے تقویٰ کا لباس پہنائے گا۔ جو کسی کی موت پر اس کے گھر والوں سے تعزیت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے دو جوڑے ایسے عطا کرے گا کہ جس کی قیمت ساری دنیا مل کر نہیں دے سکتی۔ اسی طرح جو کسی یتیم یا بیوہ کی کفالت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا غسل

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے میری بیوی اسماء بنت عمیس اور بیٹا عبدالرحمٰن غسل دے گا۔ (أبو بکر الصدیق أول الخلفاء الراشدین: 91/1)

موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو غسل دیا۔ جب فارغ ہو کر باہر آئیں تو مہاجرین صحابہ میں سے کسی سے پوچھا کہ میں روزے سے ہوں اور آج بہت ٹھنڈ ہے، کیا (میت کو غسل دینے کے بعد) مجھ پر غسل واجب ہے؟ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ نہیں۔

(موطأ الإمام مالك: باب غسل الميّت)

اس سے معلوم ہوا کہ خاندان کے وہ افراد جو سب سے زیادہ قریب ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ اس میں آگے بڑھیں۔ اگر وہ نہیں جانتے تو کسی جاننے والے کی خدمات لے سکتے ہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ شوہر اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں، بیوی شوہر کو غسل دے سکتی ہے یا نہیں، اس کے بارے میں تفصیل علمائے کرام سے معلوم کی جائے۔

میت کا پہچاننا

جس کو غسل دیا جار ہا ہوتا ہے، کفنایا جار ہا ہوتا ہے اور دفن کیا جار ہا ہوتا ہے، اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ کون اس کے ساتھ یہ بھلائی کے کام کر رہا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میت اس کو پہچان لیتی ہے جو میت کو اُٹھاتا ہے، غسل دیتا ہے، اور جو میت کو قبر میں ڈالتا ہے۔ (مسند احمد: رقم 10997)

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کے گناہوں کو معاف فرمائے اور قیامت کے دن کی آسانیاں عطا فرمائے۔ جب ہم نیک اعمال کی فکر کریں گے تو اللہ ربّ العزّت ہمارے لیے آسانیاں فرمادیں گے۔

اپنے کفن کا بندوبست کرنا

انسان کو چاہیے کہ اگر ہمت ہو تو کوشش کرے کہ اپنا کفن اپنی زندگی میں ہی تیار

کر لے۔ کفن ملتا تو مقدر سے ہے، لیکن اپنی زندگی میں کفن کو تیار کر لینا چاہیے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں ایک چادر اپنے ہاتھوں سے بُن کر پیش کی۔ اس کے کناروں پر بارڈر بنا ہوا تھا۔ ایک طرح کی ڈیزائننگ تھی۔ اس عورت نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! میں نے اپنے ہاتھ سے اس کو تیار کیا ہے کہ آپ اسے پہنیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ہدیہ کو قبول فرما لیا۔ اور اسے پہن کر آپ علیہ السلام گھر سے باہر تشریف لائے۔ ایک شخص کو وہ چادر بہت عمدہ معلوم ہوئی تو اس نے کہا کہ چادر بہت اچھی ہے۔ اے اللہ کے نبی! مجھے دے دیجیے۔ لوگوں نے اسے منع کیا کہ بھئی! نبی علیہ السلام کی ضرورت کی چیز ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہ کسی کو "نہ" نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے تو مانگ لی ہے۔ خدا کی قسم! میں نے اس لیے مانگی ہے تاکہ جب میرا انتقال ہو جائے تو میں اسے اپنا کفن بناؤں۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ چادر ہی اس کا کفن بنی۔ (صحیح بخاری: رقم 1277)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استعمال شدہ چادر سے ہی اس کا کفن بنا۔ یہاں سے اس بات کا ثبوت مل جاتا ہے۔ ہم نے اپنے کئی ساتھیوں کو دیکھا کہ حضرت جی دامت برکاتہم سے کبھی عمامہ لیا، کبھی استعمال شدہ اِحرام لیا۔ اپنے کفن کی تیاری کے لیے ساتھیوں نے حضرت جی کی استعمال شدہ چیزیں لے کر رکھی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا معاملہ فرمائے۔ تو اپنے لیے کفن اور باقی چیزوں کا انتظام کر لینا جائز ہے۔ اس سے یاد بھی رہتا ہے کہ ایک دن میرا لباس یہ ہوگا۔ اگر انسان کفن کو اس الماری میں رکھے جس میں نئے نئے جوڑے رکھتا ہے، تو کوئی جوڑا نکالتے وقت یاد آ جائے گا کہ ہاں! کفن بھی رکھا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کفن کو یاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ

تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے اور ہمیں خاتمہ بالخیر عطا فرمائے اور ہمیں آخرت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.



قبر کے تین سوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. أَمَّا بَعْدُ:

قال النبي ﷺ: إنما القبر روضة من رياض الجنّة أو حفرة من حفر النّار.

أو كما قال ﷺ. (سنن الترمذي: رقم 2460)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ

قبر کی رات قبر میں ہی ہو گی

انسان کی جو رات قبر میں لکھی گئی ہے، وہ اس دنیا میں نہیں آسکتی۔ جو قبر کی پہلی رات ہے وہ قبر میں ہی آئے گی۔ انسان کو چاہیے کہ اس کی تیاری کی فکر کرے۔

تین بھائیوں کی مثال

ایک حدیث میں قبر کی مثال تین بھائیوں سے سمجھائی گئی ہے۔ایک تو وہ کہ جیسے ہی لوگ قبر سے ہٹے، یہ چھوڑ گیا۔ دوسرا وہ جو قبر میں ڈال کر چلا گیا۔ اور تیسرا وہ جو قبر میں ساتھ دینے کو تیار رہے۔ یہاں تیسرے بھائی نے کام آنا ہے۔تیسرا بھائی کون ہے؟ نیک اعمال۔

رَضِیتُ بِاللهِ رَبًّا کا نمونہ بننا ہے

آج قبر کے تین سوالوں کے بارے میں بات ہوگی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب مؤمن کی تدفین ہوجاتی ہے تو اسے قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔ بھائی چلے جاتے ہیں، رشتہ دار چلے جاتے ہیں۔ پھر اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔

سوال ہے کہ یہ کون کہے گا؟ جواب یاد رکھیے جس کی نیت رَضِیتُ بِاللهِ رَبًّا کا نمونہ ہوگی۔ ہر ایک ایسا نہیں کہہ سکے گا، معاملہ اتنا آسان نہیں ہوگا۔جس کی زندگی رَضِیتُ بِاللهِ رَبًّا کا نمونہ ہوگی وہ کہے گا کہ میرا رب اللہ ہے۔ رَبِّيَ اللهُ (میرا رب اللہ ہے) جس نے اللہ کے حکم کے آگے اپنے سر کو جھکایا ہوگا، جس نے خلوت میں اور جلوت میں اللہ تعالیٰ سے دوستی کی ہوگی، لوگوں میں بھی اللہ کا دوست ہوگا اور تنہائیوں میں بھی اللہ کا دوست ہوگا، خلوت میں بھی اللہ کی مانی ہوگی اور جلوت میں بھی اللہ کی مانی ہوگی۔ ایسا شخص اپنے رب کا اقرار کر سکے گا۔

جب منکر نکیر دو فرشتے آئیں گے، جن کی دو نیلی ڈراؤنی آنکھیں ہوگی، ہیبت ناک ان کے چہرے ہوں گے۔ بڑا عجیب منظر ہوگا۔ ان کو face کرنا بہت بڑی بات ہوگی۔ جب وہ پوچھیں گے کہ تمہارا رب کون ہے؟ مَنْ رَبُّکَ؟ تو رَبِّيَ اللهُ کون کہے گا؟

یاد رکھ لیجیے! صرف وہ کہہ سکے گا جس کی زندگی رَضِیتُ بِاللہِ رَبًّا کے مطابق ہوگی۔ جس کا قول بھی ہوگا کہ یااللہ! میں تیرے رب ہونے پر راضی ہوں۔ اور جس کا فعل بھی یہ ہوگا کہ یااللہ! میں اپنے سر کو تیرے حکم کے سامنے جھکاتا ہوں۔

صورت اور سیرت کو سنوارنا ہے

پھر دوسرا سوال ہوگا کہ تمہارا نبی کون ہے؟ مَنْ نَبِيُّكَ؟ تمہارا نبی کون ہے؟ تو ایمان والا آدمی جواب دے گا کہ میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔ پھر تیسرا سوال ہوگا کہ مَا دِيْنُكَ؟ تمہارا دین کونسا ہے؟ تو ایمان والا بندہ جواب دے گا کہ میرا دین اسلام ہے۔ جس کی زندگی وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا نَبِيًّا کے تحت ہوگی۔ جس نے ہر کام اسلام کے مطابق کیا ہوگا، حضرت محمد ﷺ کے طریقے کے مطابق کیا ہوگا۔ یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں اور غیروں کو بالکل چھوڑا ہوگا۔ شادی بیاہ، رہن سہن، لباس، بات چیت، ساری چیزیں اسلام کے مطابق ہوں گی۔ جس کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، صبح و شام کے اعمال نبی ﷺ کے مطابق ہوں گے، وہ وہاں جواب دے سکے گا۔ اور خدانخواستہ جس کا لباس عیسائیوں جیسا، اور جس کی زندگی کافروں جیسی، اور جس کی معاشرت ہندوؤں جیسی، جس کی شادی بے حیاؤں جیسی ہوگی وہ وہاں کیسے جواب دے سکے گا؟ زندگی میں تو اس نے ہر وہ کام کیا جس سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچی، اب وہ وہاں کیسے جواب دے سکے گا۔

تو پہلا پرچہ قبر میں ہوگا جس کے تین سوالات بتائے گئے ہیں:

1. تمہارا رب کون ہے؟
2. تمہارا دین کیا ہے؟

3 تمہارا رسول کون ہے؟ (مصنف عبدالرزاق: کتاب الجنائز، باب فتنة القبر)

اور دوسرا پرچہ قیامت کے دن ہوگا، اس کے سوالوں کی تفصیلات اِن شاءاللہ آگے اپنے موقع پر آئیں گی۔ بہرحال پہلے پرچہ کی تیاری ہمیں کرنی ہے جب قبر میں اس کے سوالات ہوں گے۔ ہم ہمت کر کے دنیا کے اندر اس کی کوشش کریں تا کہ موقع پر جواب دے سکیں۔

اہلِ ایمان کے ساتھ قبر میں معاملہ

جو مؤمن ہوگا، جس کی زندگی اللہ کے احکامات کے مطابق ہوگی، جس کی تنہائیاں پاکیزہ ہوں گی، جو حیا والے، پاکدامن اور ایمان والے ہوں گے، اگر گناہ ہو چکے ہوں تو بھی سچی پکی توبہ کرنے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔ پھر ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے (یا یوں فرمایا: جب تم میں سے کسی کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے۔ راوی کو الفاظ میں شک ہے، دونوں باتیں ٹھیک ہیں) تو بڑی ڈراؤنی شکل کے نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں۔ ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ وہ دونوں میت سے کہتے ہیں کہ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک صورت دکھا کر پوچھتے ہیں) پس وہ کہتا ہے کہ جو کہنا چاہیے کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں اندازہ تھا، ہمیں معلوم تھا کہ تم ایسا ہی کہو گے۔ پھر اس کی قبر کو ستر گز کشادہ کر دیا جاتا ہے، پھر اس کی قبر کو نور سے روشن کر دیا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ سو جاؤ۔ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ مجھے

جانے دو تا کہ میں اپنے گھر والوں کو بتاؤں۔ دو دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ دلہن کی طرح سو جاؤ کہ جسے صرف اس کا محبوب شوہر ہی جگاتا ہے، یہاں تک کہ اس بندے کو بھی اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن اس کی آرام گاہ (قبر سے) اٹھائیں گے۔ (سنن ترمذی: رقم 1071)

سبحان اللہ! اس آدمی سے کہا جاتا ہے کہ آج تم آرام کرلو، سو جاؤ۔ تم دنیا کی تھکن کو اتار لو تاکہ قیامت کے دن fresh کھڑے ہو۔ چہرے تمہارے کھلتے ہوں گے، خوبصورت ہوں گے، چمکتے ہوں گے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا کام کی جگہ ہے، قبر آرام کی جگہ ہے، اور جنت انعام کی جگہ۔ ہم سے سمجھنے میں کتنی بڑی غلطی ہوئی کہ ہم اس کا اُلٹ سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہ دنیا آرام کی جگہ نہیں ہے۔ قبر میں وہی میٹھی نیند سوئے گا جو دنیا میں اچھے کام کرے گا۔

بیدار دلوں کو ہے قبر میں آرام
نیند بھر کر وہی سوئے گا جو کہ جاگا ہوگا

جو دنیا میں اللہ کے لیے جاگ لے گا، قبر میں پھر میٹھی نیند سوئے گا۔ فرشتے اس سے کہیں گے کہ تم سو جاؤ، آرام کرلو، تھکے ہوئے آئے ہو۔ وہ کہے گا کہ میں ذرا اپنے گھر والوں کو خبر تو کر دوں۔ فرشتے کہیں گے کہ نہیں بھئی! سو جاؤ، دلہن کی طرح تمہارا سونا ہوگا۔ کتنا عجیب جملہ ہے!

دلہن کا سونا

چلو سارے papers اس نے پاس کر لیے، امتحان دے دیا، مائۃ فی المائۃ سو میں سے سو نمبر آ گئے، تینوں سوالوں کے جوابات اچھے دے دیے۔ اب اس کو کہا جاتا ہے کہ سو جاؤ۔ چلو! یہ بات بھی ٹھیک ہے، لیکن دلہن کی طرح سو جاؤ، یہ کیا مسئلہ ہے بھئی؟ قبر

کے اندر دلہن کا کیا تعلق آ گیا؟ اس میں علماء نے ایک بات لکھی ہے۔ فرمایا کہ دلہن جب پہلی رات کو سوتی ہے تو صبح اسے اس کا محبوب ہی اُٹھاتا ہے یعنی اس کا خاوند اسے اٹھاتا ہے۔ اور آج جب یہ نیک بخت شخص قبر کے اندر دلہن کی طرح سو رہا ہے تو قیامت کے دن اس کا محبوب اللہ تعالیٰ شانہ ہی اسے اٹھائیں گے۔ جب اٹھے گا تو اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا۔ اللہ اکبر کبیراً!

یہ نیک مؤمن کا حال ہوگا۔ اور منافق کا کیا حال ہوگا؟ زندگی میں نبی ﷺ کے طریقے کے خلاف کرنے والے کا کیا حال ہوگا؟ دین کی بات کو برا سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا؟ پہلے ایک قابلِ غور بات سن لیجیے!

دورِ حاضر کا اَلمیہ

آج مجھے ایک میسیج آیا کہ چند لوگوں نے واٹس اَپ پر ایک گروپ بنایا تو اس میں ان کو بھی شامل کر دیا جن کی بات میں سنا رہا ہوں۔ بتاتے ہیں کہ میں نے ایک دینی کلپ گروپ میں share کیا، تو گروپ والوں نے مجھے پیغام بھیجا کہ irrelevant چیزیں گروپ میں نہ بھیجا کرو۔ بے حیائی کی کوئی چیز ہو وہ بھیجو، بے غیرتی کی، بے دینی کی کوئی چیز ہو وہ بھیجو۔ دین کی چیزوں کے بارے میں جواب آ رہا ہے کہ irrelevant چیزیں مت بھیجو۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان گروپ والوں کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ یہی مطلب ہوسکتا ہے irrelevant کا۔ واللہ اعلم!

ان لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ اگر توبہ نہ کی۔ اللہ کرے کہ سب توبہ کر لیں۔ میں نہیں چاہتا، نہ میری یہ خواہش ہے، نہ کبھی سوچ ہوئی کہ کوئی بھی بندہ جہنم میں جائے۔ اللہ سب کی مغفرت فرمائے آمین۔ بعض دفعہ بات میں سختی ہو جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں

میری غلطی ہو، لیکن یہ تلخ تمنا نہیں ہے کہ کوئی بھی مسلمان جہنم میں جائے۔ الحمدللہ! ثم الحمد للہ! اللہ کرے کہ اس قسم کے سب ہی لوگ توبہ کرلیں۔ لیکن اگر توبہ نہ کی اور اسی نہج میں چلتے رہے تو پھر کیا ہوگا؟ اسے بھی دل کے کانوں سے سن لیجیے۔

اہلِ نفاق کے ساتھ قبر میں معاملہ

ابھی ایک حدیث بیان ہوئی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی۔ اسی میں ہے کہ جب منافق شخص کے پاس فرشتے آکر سوال پوچھتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میں لوگوں سے سنتا تھا کہ وہ ایسا کہتے تھے، میں نے بھی ویسا ہی کہہ دیا اور مجھے نہیں معلوم۔ وہ فرشتے کہیں گے کہ ہاں! ہمیں معلوم تھا کہ تم جواب نہیں دے سکو گے۔ پس زمین کو کہا جاتا ہے کہ اسے دباؤ، تو زمین اسے دبا دیتی ہے حتی کہ زمین کی دونوں دیواریں آپس میں مل جاتی ہیں اور اس کی پسلیاں ایک دوسرے کے اندر گھس جاتی ہیں (جیسے کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں چلی جاتی ہیں) اسی طرح وہ عذاب میں گرفتار رہتا ہے حتی کہ قیامت کا دن آجائے۔ (سنن ترمذی: رقم 1071)

حدیثِ حضرت انس رضی اللہ عنہ

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس کے پاس سے چلے جاتے ہیں، تو وہ قبر میں موجود شخص ان کے چپلوں کی، جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان آدمی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اب اگر یہ جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھو! یہ ٹھکانہ جہنم کا تھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ٹھکانے کو

جنت سے بدل دیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ شخص دونوں ٹھکانوں کو دیکھ لے گا۔ (اسے خوشی ہوگی کہ میں جہنم سے بچ گیا، اور جنت والے ٹھکانے کو دیکھ کر اس کا دل اتنا خوش ہوجائے گا کہ دنیا کو بھول جائے گا) اور اگر وہ کوئی غیر مسلم کافر ہوا یا منافق ہوا تو پوچھنے پر جواب دے گا کہ مجھے نہیں معلوم، میں تو وہ کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ اس سے کہا جائے گا کہ نہ تم جانتے ہو، نہ تم سوچتے ہو۔ پھر اسے لوہے کے ہتھوڑے سے دونوں کانوں کے درمیان (یعنی سر پر) مارا جائے گا جس سے وہ چیخے گا اور اس کی آواز کو اس کے پاس والے سنیں گے سوائے جنات اور انسان کے۔ (صحیح بخاری: رقم 1273)

حدیثِ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

مشکوٰۃ شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میت کو قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے تو اسے ایسے لگتا ہے جیسے بس سورج ڈوبنے لگا ہو (اور عصر کی نماز کا وقت جیسے قضا ہو رہا ہو) چناں چہ وہ اٹھ بیٹھتا ہے اور اپنی آنکھوں کو ملتا ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے کہ مجھے چھوڑو، مجھے نماز پڑھنے دو۔ (مشکوٰۃ المصابیح: رقم 138)

وہ یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ نماز کا وقت جا رہا ہے، سورج غروب ہونے والا ہے، اسی لیے وہ کہتا ہے کہ مجھے نماز پڑھنے دو۔ یہ کون ہوگا؟ جو دنیا میں نماز کی فکر کرنے والا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے لیے آسانی والا معاملہ فرمائے۔

ایک اعتراض کا جواب

اچھا! ایک سوال بعض لوگوں کے دلوں میں آتا ہے کہ عذابِ قبر صرف روح کو ہوگا یا جسم کو بھی ہوگا؟ روح تو نکل کر چلی گئی، صرف جسم رہ گیا تو عذابِ قبر کیا صرف جسم کو ہوگا؟ یا دونوں کو ہوگا؟ بعض لوگ اس طرح کے سوال پوچھتے ہیں، پھر پریشان بھی ہوتے

ہیں۔ اس کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ عذاب قبر روح مع الجسم دونوں کو ہوگا۔ روح کو بھی ہوگا اور جسم کو بھی ہوگا۔ ہاں! اب اس کی کیا کیفیات ہیں؟ اسے یہاں سو فیصد سمجھنا ممکن بھی نہیں اور ضرورت بھی نہیں۔ ایک چیز بتا دی گئی ہے تو معاملہ آسان ہو گیا، لیکن ایک مثال سے اس مسئلہ کو سمجھنا آسان ہوگا ان شاء اللہ۔

روح اور جسم کا تعلق

دیکھیے! صرف روح اگر ہو تو اکیلی روح نے تو کچھ نہیں کیا، صرف جسم اگر ہو تو خالی جسم نے بھی کچھ نہیں کیا۔ روح کے بغیر تو انسان ہل بھی نہیں سکتا۔ اور جو گناہ ہوا تھا وہ روح مع الجسم ہوا تھا، اکیلے نہیں ہوا تھا۔ جب دونوں نے کیا تھا تو سزا بھی دونوں کو ملنی چاہیے۔

لنگڑے اور اندھے کی چوری

اس کی ایک مثال یوں بھی سمجھی جا سکتی ہے۔ ایک آدمی لنگڑا تھا، چلنا مشکل تھا لیکن آنکھیں ٹھیک تھیں، دکھائی صحیح دیتا تھا۔ دوسرا آدمی اندھا تھا لیکن چلتا ٹھیک تھا۔ دونوں نے کہا کہ ہم چوری کرتے ہیں۔ اندھے نے کہا کہ مجھے تو نظر کچھ نہیں آتا، میں کیا چوری کروں گا؟ لنگڑے نے کہا کہ میں بھی تو چل نہیں سکتا۔ اب ایسا کرتے ہیں کہ ہم مل جل کر کچھ پلان کرتے ہیں۔ چناں چہ لنگڑے نے اندھے سے کہا کہ تم مجھے اپنے کندھوں پر بٹھا دو، میں تمہارے کندھوں پر بیٹھ جاؤں گا تو میں تمہیں بتاتا رہوں گا کہ سیدھے ہاتھ پر مڑنا ہے، اُلٹے ہاتھ پر مڑنا ہے، کدھر جانا ہے۔ اور جو چیز چرانی ہوگی تو پھر میں پکڑ لوں گا۔ تمہاری ٹانگیں استعمال ہوں گی اور میری آنکھیں استعمال ہوں گی۔ انہوں نے یہ بات طے کر لی اور جا کر چوری کر لی۔

چوری کرنے کے بعد جب پکڑے گئے تو اب آپ بتائیں کہ لنگڑے کو سزا ملے گی یا

اندھے کو؟ یا دونوں کو ملے گی؟ جی، دونوں کو ملے گی۔ بالکل معاملہ ایسا ہی ہے کہ بغیر روح کے جسم کچھ نہیں کرسکتا، اور خالی روح بغیر جسم کے وہ بھی کچھ نہیں کرسکتی۔ ان کا جب جوڑ ہوگا جب ہی خیر یا شر کا معاملہ وجود میں آئے گا۔ نیکی بھی دونوں مل کر کریں گے، اور گناہ بھی دونوں مل کر کریں گے۔ چاہے جزا ہو یا سزا، دونوں کو ملے گی۔

اللہ اور اس کے رسول پر ایمانِ صادق

بعضے لوگ ایسے بھی ہیں کہ گھوم پھر کر پھر وہی سوال کرتے ہیں۔ کچھ دن پہلے مجھ سے ایک آدمی بحث کرنے لگا۔ جب وہ بات کسی طرح سمجھنا ہی نہیں چاہتا تھا تو میں نے کہا کہ بھئی! قبر میں چلے جائیں گے تو سب پتا چل جائے گا، فکر نہ کرو۔ یہاں کم از کم نیکی کا ذخیرہ جمع کرلو۔ اس کی حقیقت کو ہم نہیں سمجھا سکتے۔ پھر وہ کچھ پوچھنے لگا تو میں نے کہا کہ بھئی! مجھے اب اتنی باتوں کا علم نہیں ہے کہ قبر میں کیا ہوگا؟ وہ عالم برزخ ہے، حدیث شریف میں اس کی وضاحت آگئی، بس حق اور سچ ہے۔

بعض اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کبھی دکھلا بھی دیتے ہیں اور بعض دفعہ عام آدمی کو بھی دکھلا دیتے ہیں، لیکن عام معاملہ یہی ہے کہ اللہ پاک نے اس کو لوگوں کی نظروں سے دور رکھا ہوا ہے۔ جیسے خون کا ٹیسٹ کر کے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ شوگر بڑھ گئی اگرچہ ہمیں نظر نہیں آتی۔ کہتے ہیں کہ فلاں جلد میں نمک بڑھ گیا، فلاں کا یہ ہوگیا، فلاں کا یہ ہوگیا۔ ان چیزوں کو دیکھنے کے کچھ آلات ہوا کرتے ہیں۔ قبر کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے چھپایا ہوا ہے ہم نہیں دیکھ سکتے، اللہ جانتا ہے۔ بہر حال ان کو سمجھانے کے لیے دل میں اللہ نے یہ بات ڈالی۔ پھر علمائے کرام سے اس مسئلہ کو مزید پوچھا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ قبر میں روح مع الجسم پر جزا یا سزا ہے۔

سیٹیلائٹ کی مثال

ایک اور صاحب ذرا لمبی بحث کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ دیکھو بھئی! آج کل یہ باتیں سمجھنا نسبتاً آسان ہے۔ یہ جو سیارے جا رہے ہوتے ہیں، سیٹیلائٹ چل رہے ہوتے ہیں تو ان کے بھی دنیا میں کوئی نہ کوئی اسٹیشنز ہوتے ہیں۔ اور ان کا کسی نہ کسی طرح دنیا سے کوئی رابطہ یا لنک رہتا ہے۔ وہ کس درجے کا ہے؟ قوی ہے یا کمزور ہے؟ جیسا بھی ہے، خیر! سیٹیلائٹ کا دنیا میں کوئی نہ کوئی connection رہتا ہے اگرچہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ قبر کا یہ معاملہ اللہ کا ہے کہ جب روح نکل کر اوپر چلی گئی، اب اس کا کسی نہ کسی درجے میں جسم کے ساتھ تعلق ہے۔ یہ بات حدیث شریف میں بھی ہے کہ دوبارہ روح لوٹ آتی ہے۔

(مسند احمد بروایت براء بن عازب رضی اللہ عنہ: رقم 17803)

معلوم ہوا کہ روح اور جسم دونوں کو ہی عذاب ہوتا ہے۔

قومِ نوح کے ساتھ معاملہ

موت کیسے بھی آئے، اچھی یا بری، نیک ہو یا برا ہو۔ قبر میں جاتے ہی عذاب کا یا راحت کا سلسلہ فوراً شروع ہو جاتا ہے۔ قومِ نوح کے لیے قرآنِ کریم میں ہے:

أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا (نوح:25)

ترجمہ: ''انہیں غرق کیا گیا، پھر آگ میں داخل کیا گیا''۔

جب قومِ نوح غرق ہوئی تو جہنم میں داخل کر دی گئی، ان کی قبر کوئی نہیں بنی لیکن برزخ کا معاملہ شروع ہو گیا۔ کسی کو کسی جانور نے کھا لیا، کوئی مچھلی کا لقمہ بن گیا، جل کر مر گیا اور اس کی راکھ بن گئی، یا ہوا میں پرزے اُڑ گئے، کچھ بھی ہو۔ جیسے ہی دنیا سے جائے گا، برزخ کا معاملہ شروع ہو جائے گا۔ نیک ہے تو راحت والا معاملہ، اور برا ہے تو بدوالا معاملہ ہوگا۔

قبر کی سختی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کافر کی قبر میں ننانوے سانپ مسلط کیے جاتے ہیں جو اسے قیامت تک ڈستے رہیں گے۔ اگر ایک سانپ بھی زمین پر پھنکار مار دے تو زمین میں قیامت تک گھاس نہ اُگے۔

(مسند احمد بن حنبل: 3/ 38)

اسی طرح نماز کے بارے میں آتا ہے کہ جو شخص نماز قضا کرنے والا ہوتا ہے، حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ قبر میں ایمان والے شخص کی نماز اس کے سرہانے کھڑی ہوتی ہے، روزہ اس کے دائیں طرف اور دی ہوئی زکوۃ اس کے بائیں طرف کھڑے ہوتے ہیں، صدقات نافلہ اور صلہ رحمی اور لوگوں کے ساتھ کی گئی بھلائیاں اس کے پاؤں کے پاس ہوتے ہیں۔ جبکہ کافر کو قبر میں سرہانے یا دائیں بائیں یا پاؤں کے پاس کوئی نیکی نہیں ملتی ہے۔ (صحیح ابن حبان: رقم 3190)

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی نمازوں کی فکر کرنے والے بنیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری قبر کے عذاب سے حفاظت فرمائے۔ ہاں! کچھ نیک لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہوں نے زندگی

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا نَّبِیًّا

کے مطابق گزاری ہوتی ہے۔ پھر قبر میں اُن کے لیے آسانیاں ہو جاتی ہیں۔

اللہ والوں کے واقعات

1 بعض اللہ والوں کے قصے بھی آتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد انہیں کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا بنا؟ کہنے لگے کہ جب میں قبر میں گیا تو فرشتوں نے مجھ سے پوچھا کہ اے بڈھے! کیا لائے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ بادشاہ کے دربار میں

آنے والے سے یہ نہیں پوچھتے کہ کیا لے کر آئے ہو؟ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا لینے آئے ہو؟ ایسا جواب تو تیاری کرنے والے ہی دے سکتے ہیں، عام آدمی یہ جواب نہیں دے سکتا۔

2 جنید بغدادی رحمہ اللہ کا جب انتقال ہوا تو بعد میں کسی نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ کیا بنا؟ کہا کہ فرشتے آئے تھے، مجھ سے پوچھا: مَنْ رَّبُّکَ؟ تمہارا ربّ کون ہے؟ میں نے کہا کہ میرا ربّ وہی ہے جس نے تمہیں حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ فرشتے کہنے لگے کہ اتنی پرانی بات یاد دلا دی۔

3 حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو کسی نے وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ حضرت! کیا بنا؟ فرمایا کہ فرشتے آئے تھے اور پوچھا: مَنْ رَّبُّکَ؟ تمہارا رب کون ہے؟ میں نے ان سے عرض کیا کہ تم عرش سے اتنا فاصلہ، اتنا سفر کر کے نیچے آئے ہو پھر بھی تم رب کو نہیں بھولے، میں زمین سے چند فٹ ہی نیچے آیا ہوں تو اس رب کو کیسے بھول جاؤں؟

4 حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ اللہ تعالیٰ کی نیک بندی تھیں۔ مرنے کے بعد کسی کو خواب میں نظر آئیں تو پوچھا کہ کیا بنا؟ کہا کہ فرشتے آئے تھے اور پوچھا تھا کہ اے بڑھیا! تیرا رب کون ہے؟ میں نے بھی جواب دے دیا تھا کہ جا کر اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ تیری اتنی بے شمار مخلوق میں تو مجھ بڑھیا کو نہیں بھولا، اللہ! میرا تیرے سوا ہے ہی کون؟ میں تجھے کیسے بھول جاؤں؟ اللہ اکبر کبیراً!

محنت ضروری ہے

یہ جواب وہی دے سکتا ہے جس کا یقین بنا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق دنیا میں جڑ جائے گا تو یہ جواب دینا آسان ہو جائے گا، ورنہ انسان اس وقت پریشان ہو جائے

گا کہ آخر کیا جواب دوں؟ یہ paper A ہے جو قبر میں ہوگا۔ paper B تو قیامت میں ہوگا۔ تفصیلات تو وہاں پوچھی جائیں گی۔ اگر نیک اعمال سے دنیا میں ہم نے زندگی گزاری ہوگی تو قبر جنت کا باغ ہوگی، اور خدانخواستہ اگر گناہوں میں زندگی گزار دی تو قبر ایک جہنم کے عذاب کا گڑھا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قبر کے عذاب سے محفوظ فرمائے۔ سورۃ الملک کی روزانہ تلاوت عذابِ قبر سے بچنے کے لیے بہت مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الملک کو باقاعدگی کے ساتھ روزانہ تلاوت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



ایصالِ ثواب پارٹ 2

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود:114)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَ سَلِّمْ

قانونِ خداوند عزوجل

جب انسان نیکیوں کی زندگی گزارتا ہے تو اس کے چھوٹے صغیرہ گناہ اس کی نیکیوں کی برکت سے معاف ہوتے رہتے ہیں۔ ایک تو اس کے اپنے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور

اگر کسی دوسرے کی خاطر نیکی کرے تو دوسرے کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک عجیب قانون ہے۔ موت آتی ہے تو فقط موت کے آنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ جنت اور جہنم کا فیصلہ نہیں کر دیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو کر سکتے تھے۔ اگر کسی نے 70 سال زندگی گزاری اور 70 سال میں اللہ کو راضی نہ کر سکا تو ہونا کیا چاہیے تھا کہ ڈالو جہنم میں، ختم کرو۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دیکھیے! اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہنم کے فیصلوں سے پہلے بڑے مقامات رکھے ہیں۔ اس کو قبر میں ڈال دو، جہنم کا فیصلہ ابھی مؤخر کر دو۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ گناہ گار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھیں کہ کتنی وسیع ہے۔

نمازِ جنازہ سے مغفرت

کہا جاتا ہے کہ انتظار کرو چالیس آدمی اس کو ایسے مل جائیں جو اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے آ جائیں۔ میں ان چالیس کی دعا کو قبول کر لوں گا اور اس کو جنت دے دوں گا۔ اچھا! کوئی ایسا بندہ جس کا جنازہ پڑھنے چالیس آدمی بھی نہیں آئے، اب قبر میں ڈال دیا گیا تو کیا معاملہ رحمت ختم؟ نہیں۔ قبر میں ڈال دیا ممکن ہے کہ تدفین سے لے کر قیامت کی صبح تک کوئی ایسا چانس بن جائے، کوئی بہانہ بن جائے، کوئی ایسا موقع نکل آئے کہ اس کی مغفرت ہو جائے۔ (فتح الباري شرح صحيح البخاري: باب ثناء الناس على الميت، شرح صحيح مسلم للنووي: باب من صلّى عليه مائة شفعوا فيه)

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اللہ چاہتا تو ڈائریکٹ جہنم میں ڈال سکتا تھا مگر وہ ایسا نہیں کرتا۔ یہ اس کی شانِ رحمت کے خلاف ہے۔

نیک لوگوں کے قبر کے معاملات

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب میت کو قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے تو اسے ایسے لگتا ہے جیسے بس سورج ڈوبنے لگا ہو (اور عصر کی نماز کا وقت جیسے قضا ہو رہا ہو) چناں چہ وہ اٹھ بیٹھتا ہے اور اپنی آنکھوں کو ملتا ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے کہ مجھے چھوڑو، مجھے نماز پڑھنے دو۔ (مشکاۃ المصابیح: رقم 138)

اور بعض اللہ والے ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے قبر میں نماز پڑھی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے معراج کی رات گزرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ کثیبِ احمر کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ (صحیح مسلم: رقم 2375)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ الفاظ مروی ہیں:

الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ. (مسند بزار: رقم 256)

ترجمہ: "انبیاء علیہم السلام (اپنی قبروں میں) زندہ ہیں، وہ اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں"۔

واقعہ حرہ اور اذان

ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد سن 63 ہجری میں ایک بڑی جنگ ہوئی۔ جنگِ حرہ اس کا نام ہے۔ اور شہدائے حرہ کے نام سے جنت البقیع کے اندر کافی بڑی جگہ ہے جہاں وہ شہداء دفن ہیں۔ اس لڑائی کے دوران مسجدِ نبوی میں تین دن تک اذان نہیں دی گئی۔ حملہ آور لشکر کی تعداد تقریباً ستائیس ہزار گھوڑ سوار اور پندرہ ہزار پیدل فوج پر مشتمل تھی۔ اس لشکر نے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا تھا۔ ایک وحشت اور خوف کا عالم تھا۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد

نبوی میں آیا۔ وحشت اور خوف کو دور کرنے کے لیے میں روضۂ اقدس ﷺ کے قریب بیٹھ گیا۔ جب ظہر کا وقت ہوا تو میں نے قبر مبارک سے اذان کی آواز سنی اور ظہر کی نماز ادا کی۔ میں برابر تین راتیں وہاں رہا اور ہر نماز کے موقع پر اذان کی آواز سنتا رہا۔ اذان کی یہ آواز نبی علیہ السلام کی قبر مبارک سے آتی تھی۔ (شرح مواہب للزرقانی: 365/7)

اذان کی آواز اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ بعض بزرگوں نے دعا کی: اے اللہ! اگر آپ نے کسی کو نماز کی توفیق قبر میں دی ہو تو مجھے بھی دے دیجیے گا۔ ان میں سے ایک ہیں ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ۔ لوگوں نے دیکھا کہ انہوں نے دفن ہونے کے بعد قبر میں نماز پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ نبی علیہ السلام کے مبارک زمانے میں بھی ایک واقعہ ایسا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سفر کے موقع پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ خیمہ لگایا، وہاں ایک قبر تھی۔ انہیں معلوم نہیں تھا اور اسی پر خیمہ لگایا۔ اچانک انہیں قبر سے ایک آدمی کی آواز آئی جو سورۂ ملک پڑھ رہا تھا:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ٘ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۝ (الملك:1)

اس صحابی نبی علیہ السلام سے آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! میں نے تو یہ سنا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ سورۂ ملک روکنے والی، یہ نجات دینے والی ہے، عذاب قبر سے محفوظ رکھتی ہے۔ (سنن ترمذی: رقم 2890)

ایک حافظ صاحب تھے۔ بہت قرآن پاک پڑھتے تھے۔ قرآن پاک پڑھتے انتقال ہو گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا بنا؟ کہا کہ مغفرت ہو گئی۔ کہنے لگے کہ جب سے میں قبر میں آیا ہوں اس دن سے لے کر آج 70 ہزار مرتبہ قرآن پاک مکمل

کر چکا ہوں۔ اس خواب دیکھنے والے نے کہا: سبحان اللہ! اس حافظ صاحب نے کہا کہ تمہارے اس ایک سبحان اللہ کا ثواب میری اس ساری تلاوت سے زیادہ ہے۔

اور بھی اس طرح کے کئی واقعات ہیں کہ قبر میں ہی کسی مسلمان کو تلاوت کی یا کوئی اور عبادت کی توفیق مل جائے۔ لیکن معاملہ کیا ہے کہ زندگی میں قبر میں جانے سے پہلے پہلے اگر آپ ایک دفعہ بھی سبحان اللہ کہیں گے، اس کا ثواب ملے گا۔ مرنے کے بعد گو اللہ تعالیٰ خاص طور پر کسی کو عبادت کی توفیق دے بھی دے اس کے شوق کی وجہ سے، اس کی تمنا و طلب کی وجہ سے، لیکن نامہ اعمال بند ہو چکا، اس کو ثواب کوئی نہیں ملتا۔ اس کی دعا پوری ہوگئی، خواہش پوری ہوگئی۔

جنتی آدمی کا افسوس کرنا

ایسا وقت آئے گا کہ ہم ترسیں گے ایک سبحان اللہ کہنے کو۔ ایک سبحان اللہ اور کہہ دیتے، موبائل پہ لگے رہے، Facebook پر لگے رہے۔ ہائے کاش! اللہ کا نام لے لیتے، لا الہ الا اللہ اور کہہ دیتے، الحمدللہ کہہ دیتے۔ ایک حدیث کا مفہوم عرض کرتا ہوں کہ جنت میں بھی اہلِ جنت کو اسی وجہ سے حسرت ہوگی۔ پوچھا گیا: ان کو کیوں حسرت ہوگی؟ کہا: ذکر کی کمی کی وجہ سے۔

(معجم کبیر: رقم 128، شعب الایمان للبیہقی: 510, 509)

آج موقع ہے تو ہم فائدہ اُٹھالیں۔ پھر یہ وقت نہیں ملے گا۔

قبر سے خوشبو آنا

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر جنت البقیع

کے اندر کھود رہے تھے۔ ہم لوگ ان کی قبر کو کھود کر مٹی نکالتے تھے تو اس سے مشک کی خوشبو آتی تھی یہاں تک کہ ہم لوگ بغلی کھدائی تک آ گئے اور خوشبو آتی رہی۔

شُرَحْبِیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر کی مٹی کی ایک مٹھی میں نے لے لی اور گھر لے آیا۔ وہ مٹی بعد میں مشک ہی بن گئی۔

محدثِ ابن ابی الدنیا ایک اللہ والے تھے۔ مغیرہ بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ان کی قبر سے خوشبو آئی تھی۔ خواب میں ان سے پوچھا کہ تمہاری قبر سے مشک کی خوشبو آتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے دو باتیں فرمائیں: ایک تو تلاوتِ قرآن، اور دوسرا یہ کہ گرمی میں روزے رکھنے کی وجہ سے۔

دورانِ تعلیم قرآن مرنے والے کی فضیلت

ایسے ہی قبر میں سیکھنا سکھانا بھی ہوتا ہے۔ یہ بات آپ نے پہلی دفعہ سنی ہوگی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا (ناظرہ یا حفظ) اور پورا ہونے سے پہلے موت آ گئی تو قبر کے اندر ایک فرشتہ آئے گا جو اسے قبر میں قرآن کی تعلیم دے گا، اور یہ شخص (قیامت کے دن) اپنے اللہ سے اسی حال میں ملے گا۔ (ترغیب لابن شاہین: رقم 196)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے تابعی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک مؤمن قرآن پڑھ رہا تھا، حفظ کر رہا تھا مگر پورا نہ کر سکا اور موت آ گئی تو قبر میں فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے قرآنِ پاک حفظ کرائیں تاکہ قیامت کے دن اللہ اسے حفاظ میں کھڑا کرے۔

کیا مطلب؟ شروع کرنا ہمارا کام، پورا کرانا اللہ کا کام۔ ہم دنیا میں اللہ سے مانگیں

کہ یا اللہ! ہمیں ایسے مدارس، ایسے مکاتب اور ایسی جگہیں بنانے کی توفیق عطا فرمائیے جہاں قرآن کا حفظ کرایا جائے۔ اس کے لیے ہم کوشش کر سکتے ہیں۔ جنہیں اللہ نے ہمت اور توفیق دی ہے وہ خود کریں، اور جو پورا کام نہیں کر سکتے وہ کرنے والوں کے لیے دعائیں کریں، ان کو سپورٹ کریں۔ ہر ہر لحاظ سے ان کی مدد کریں۔ جو جس طرح سے کر سکتا ہو، کرے۔ اللہ تعالیٰ کے لشکر بہت زیادہ ہیں:

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الفتح: 4)

کوئی نہیں جانتا اس کے لشکروں کی تعداد کتنی ہے۔ یہ حافظِ قرآن اللہ تعالیٰ کی فدائی فوج ہے۔ جو اللہ کے قرآن کو تھامے ہوئے ہے۔ ان کے لیے ہم دعا کرتے رہیں، کوشش کرتے رہیں۔

جمعہ کے دن قبرستان جانا

قبور کی زیارت، قبر والوں کے پاس جانا بھی سنت ہے۔ سن لیجیے!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے والدین کی قبر پر یا دونوں میں سے کسی ایک کی قبر پر ہر جمعے کے دن جائے، اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور اسے نیک لکھا جاتا ہے۔ (فیض القدیر: 141/6)

ایک ضعیف روایت میں آتا ہے کہ جس شخص نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت جمعہ کے دن کی، اور سورہ یٰسین کی تلاوت کی تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ (تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ: رقم 2037)

اس لیے قبر کی زیارت کرنا چاہیے والدین کی ہو یا عام مؤمنین کی۔ البتہ والدین کی

قبر پر جانے کا ثواب زیادہ ہے۔

زیارتِ قبور کی اجازت

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابتدا میں میں نے تم لوگوں کو روکا تھا کہ قبروں کی زیارت کے لیے مت جایا کرو، اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت مل گئی ہے، سو تم قبروں کی زیارت کیا کرو، یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے۔ (سنن ترمذی: رقم 1054)

زیارتِ قبر دل کو نرم کرتی ہے، آنکھ کو رلاتی ہے، اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔ ابتدائے اسلام میں جاہلیت کی رسومات موجود تھیں اس لیے نبی علیہ السلام نے منع کر دیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قبرستان جا کر کوئی پرانی رسم بندہ کرلے۔ پھر جب ایمان راسخ ہوتا چلا گیا اور اللہ کے احکامات پر استحکام آگیا اور مضبوطی سے عمل ہونا شروع ہوگیا تو اب زیارتِ قبور کی اجازت دے دی۔ زیارتِ قبر دل کو نرم کرتی ہے اور دل نرم ہوں گے تو رونا نصیب ہوگا، لیکن آج بھی اگر کوئی جا کر قبر پر جاہلانہ رسمیں کرتا ہے تو اس کے لیے جانا ٹھیک نہیں۔ عبرت حاصل کرنے کے لیے جانا ٹھیک ہے۔ میلوں میں جانا اور عرس منانا بھی ٹھیک نہیں ہے۔

نبی علیہ السلام کا ایک عورت کی قبر پر جانا

نبی علیہ السلام کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جنازے میں شریک ہوتے، لیکن اگر کسی کے جنازے میں نہ شریک ہو پاتے تو بعد میں اس کی قبر پر چلے جایا کرتے تھے۔

مدینہ شریف کی مسجد میں ایک جھاڑو دینے والی خادمہ تھی۔ بعض روایات میں اس کا

نام اُمّ محجن یا امرأۃ سوداء آیا۔ اس کا انتقال ہوگیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی علیہ السلام کو خبر نہ دی کہ عام سی عورت تھی۔ نبی علیہ السلام نے کسی سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہا کہ انتقال ہوگیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں بتایا۔ پھر نبی علیہ السلام اس عورت کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کی قبر پر جنازے کی نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری: رقم 458، صحیح مسلم: رقم 956)

اس سے کیا سبق ملا کہ اگر ہم کسی کے نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہوسکیں تو بعد میں اس کی قبر پر چلے جائیں اور اس کے لیے دعا کریں۔

نبی علیہ السلام کی والدہ کی قبر

جب نبی علیہ السلام اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے تو وہاں خوب روئے تھے۔

(مستدرک للحاکم: باب زیارۃ النبی ﷺ قبر أمه، رقم 1429)

الحمدللہ! اس سال عمرے کے سفر پر ایک ساتھی ایسے مل گئے جو مکہ مکرمہ سے یمن لے کر گئے۔ راستے میں مقامِ بدر کی بھی زیارت ہوئی۔ اور ایک کنواں ہے اس کی بھی زیارت ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ بی بی آمنہ نبی علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی قبر کی بھی زیارت کی۔ وہاں بھی الحمدللہ! جانے کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

زیارتِ قبور کے لیے دن خاص نہ کریں

نبی علیہ السلام اکثر و بیشتر قبرستان جایا کرتے تھے۔ ہم نے کیا بنالیا ہے کہ 15 شعبان کو ضرور قبرستان جانا ہے، اس کے علاوہ یا تو جانا نہیں، یا پھر کسی مجبوری کی وجہ سے جانا پڑ گیا۔ جہاں تک پندرہویں شعبان میں جوجانے کی بات ہے تو حدیث شریف کے مطابق نبی پاک ﷺ اپنی پوری زندگی میں صرف ایک بار پندرہ شعبان کو قبرستان گئے تھے۔ ہم صرف ایک دفعہ بھی زندگی میں پندرہ شعبان کو قبرستان چلے گئے تو سنت پوری

ہو چکی۔ لیکن عام دنوں میں جو جانے کی ضرورت ہے، جس کی وجہ سے دلوں میں نرمی پیدا ہو، وہ جانا تو بہر حال باقی ہے۔ جمعہ کے دن بھی جو جانے کی فضیلت ہے، اسے بھی لازم نہ سمجھا جائے۔ یہ فضیلت کی حد تک تو بات ٹھیک ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر عقیدہ ہی بنا لینا، یہ ٹھیک نہیں ہے۔

قبرستان میں داخل ہونے کی دعائیں

نبی علیہ السلام سے مختلف دعائیں قبرستان سے متعلق مروی ہیں:

1- اَلسَّلَامُ عَلٰی أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ.

(مصنف عبد الرزاق: رقم 6551)

2- اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ.

(سنن أبي داود: رقم 3237)

3- اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَاحِقُوْنَ، أَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ. (صحيح مسلم: رقم 975)

4- اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ، أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ. (سنن ترمذي: رقم 971)

بوسیدہ قبر کی پکار

جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو کفن دینے کے بعد اسے قبر میں دفن کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ چاہے نیک ہو یا بد، قبر میں پہلے جانا ہوگا۔ اس

پر یہ سوال ہے کہ بدآدمی کو جہنم کے اندر کیوں نہیں ڈال دیا جاتا، قبر میں کیوں ڈالا جاتا ہے؟ شاید اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جب اس کی قبر خستہ حال ہوجائے گی، بوسیدہ ہوجائے گی، کوئی آنے والا نہیں ہوگا، اس کا کفن ختم ہوجائے گا، اس کا جسم گل سڑ جائے گا تو یہ بوسیدگی اللہ کی رحمت کو پکارے گی۔

عذابِ قبر سے حفاظت

کثیر بن صالح رحمہ اللہ نے وصیت کی تھی کہ جب میری قبر بوسیدہ اور خستہ ہوجائے تو میرے واسطے دعا کرنا، قبر کی حالت ٹھیک نہ کرنا۔ سختی سے منع کیا کہ اللہ تعالیٰ جب بوسیدہ اور خستہ قبر کو دیکھتے ہیں تو ان پر رحم فرماتے ہیں، شاید اس وجہ سے میری بھی مغفرت ہوجائے۔ ایک اور واقعہ سنیے!

اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس پر عذاب ہورہا تھا۔ کافی عرصے بعد دوبارہ وہاں سے گزر ہوا تو دیکھا کہ اب عذاب نہیں ہورہا۔ اللہ تعالیٰ سے پوچھا: یا اللہ! ساری پاکی آپ کے لیے ہے، پہلے آیا تو عذاب ہورہا تھا، اب آیا ہوں تو عذاب نہیں؟ جواب آیا کہ اس قبر کے رہنے والے کا کفن بوسیدہ ہوگیا، بال ختم ہوگئے، ہڈیاں مٹی میں مل گئیں۔ قبر خستہ ہوکر زمین میں دھنس گئی۔ کفن سڑ گیا، تو میں نے اس کے حال پر رحم کیا۔ جب میں قبر کے دھنس جانے کو، خستہ ہوجانے کو دیکھتا ہوں تو مُردوں پر رحم کرتا ہوں۔

اب بتائیں! پکی قبر بنوانا، اوپر سے کتبے لگانا، ماربل کی سلیبیں لگانا کوئی اچھی بات ہے؟

ایک سفر کی کارگزاری

ثمرقند جانا ہوا تو قبروں کے حوالے سے کچھ اور دیکھنے کو ملا۔ ہمارے ہاں قبر پکی

کرنے کے حوالے سے ابھی اتنی ترقی نہیں ہوئی۔ یہ مناسب بھی نہیں ہے، گناہ ہے۔ وہاں کیا تھا؟ وہاں کے لوگ اس بدعت میں ہم سے کافی آگے ہیں۔ قبر بھی پکی اور ہر قبر پر بڑے زبردست قسم کے کتبے Stylish ہوئے ہوئے تھے۔ اور قبروں پر بڑی قیمتی Tiles لگی ہوئی تھیں۔ اور تو اور بے شمار قبروں پر مرنے والوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ان Tiles کے اوپر تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ہمارے یہاں تصویروں کا رواج Tiles پر تو نہیں آیا، لیکن قبر کو پکا کرنا یہ بہت غلط بات ہے جو ہمارے ہاں رواج پا چکا ہے۔ قبر پکی ہو، خستہ ہو۔ بتایئے! آج کل کون سی اولاد ہے جو قبر پر جاتی ہو؟ الا ما شاء اللہ۔ کوئی خوش نصیب ہوگا جس کی اولاد اس کی قبر پر جاتی ہو۔ دو سے پانچ فیصد لوگ بہت ہیں، اس سے زیادہ نہیں جاتے۔ پوچھ لیجیے گورکن اور قبرستان والوں سے۔

ان دو سے پانچ فیصد والوں میں بھی کتنے ہیں جو روزانہ جاتے ہیں؟ پھر ایسا بھی وقت آتا ہے کہ یہ بھی رہ جاتے ہیں۔ اگر کسی خوش نصیب کی قبر پر اولاد جانے والی ہوگی تو اولاد ایک وقت تک جائے گی، اس کے بعد پھر کوئی نہیں ہوگا۔ یعنی زندگی میں ایسا موقع آئے گا کہ قبر پر آنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ کوئی نام لینے والا نہیں ہوگا۔

بڑے لوگ آج کہاں ہیں؟

جیسے ہمارے دادا پردادا اس کے اوپر جو لوگ ہیں، بتائیں ان کے نام کیا ہیں؟ کیا کرتے تھے؟ چوہدری صاحب، ملک صاحب، حافظ صاحب اور بڑے بڑے مقامات اور القابات والے لوگ ہوں گے اور سمجھتے ہوں گے کہ ہمارے بغیر دنیا کا گزارا نہیں ہوتا۔ ہم نہ ہوں تو سارے کام ہی رُک جائیں۔ آج ایسے حال میں پڑے ہوئے ہیں کہ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کوئی پاس آنے والا نہیں۔ اگر قبریں پکی ہوں اور کوئی پوچھنے

والا نہیں ہوتا، تو قبریں ختم ہو جاتی ہیں، دب جاتی ہیں، دھنس جاتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ قبروں کو پکا کر کے آپ اپنے بڑوں کے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔

زندہ شخص اور میت کے لیے ایصالِ ثواب

اسی طرح مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک راستہ ایصالِ ثواب کا رکھا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے اپنے پیچھے مال چھوڑا ہے، لیکن کوئی وصیت نہیں کی۔ اگر میں ان کی جانب سے صدقہ خیرات کر دوں، کیا ان کے گناہوں کے لیے معافی کا ذریعہ ہو جائے گا؟ فرمایا: ہاں! تمہارے صدقات سے ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم: رقم 1630)

معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب کا میت کو فائدہ ہوتا ہے۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ ایک عورت حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسئلہ پوچھنے کے لیے آئیں۔ اس نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد اتنے ضعیف اور کمزور ہو چکے ہیں کہ سواری پر بیٹھنے کی بھی ہمت و طاقت نہیں رکھتے، جبکہ حج اُن پر فرض ہے۔ کیا میں اپنے والد کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! آپ کر سکتی ہیں۔ (صحیح بخاری: رقم 1756)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ زندوں کی جانب سے بھی نیک اعمال کیے جا سکتے ہیں۔

ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میت کے لیے دعائے مغفرت کی جائے تو میت کو فائدہ ہوتا ہے، یا میت کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا جائے تو میت کو فائدہ ہوتا ہے، یا میت کی جانب سے حج کیا جائے تو میت کو فائدہ ہوتا ہے، یا تلاوتِ قرآن کی جائے تو میت کو

فائدہ ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ تو ان اعمال کی وجہ سے میت کے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اور اگر قبر جہنم کا گڑھا بھی تھی تو جنت کا باغ بن جاتی ہے۔ اور بعض مرتبہ عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے، بہر حال ہر دو صورت فائدہ انسان ہی کا ہے۔

قبر کی آگ کا بجھنا

قبر کی تکلیفیں گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ ایمان والوں کی دعائیں، ان کا صدقہ، ان کا ایصالِ ثواب میت کے لیے ذریعہ نجات بن جاتا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: صدقہ اور خیرات قبر کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ (تنویر شرح جامع صغیر: رقم 2043)

میت کو ثواب پہنچنے کے واقعات

ابن رجب رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ایک بزرگ تھے۔ ایک روز انہوں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا۔ والد نے کہا کہ کیا بات ہے تمہارا ہدیہ آتا تھا، کیوں بند ہو گیا؟ تم میرے لیے جو ایصالِ ثواب کرتے تھے، قرآن کی تلاوت کرتے تھے، وہ ہدیہ بند ہو گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: ابا جان! کیا آپ لوگوں کو ہمارے ان ہدایا کا ایصالِ ثواب پہنچتا ہے اور دعا کا علم ہو جاتا ہے؟ کہا کہ اگر زندوں کے ہدایا نہ پہنچیں تو مردے تباہ ہو جائیں۔

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اہلِ مدینہ میں سے ایک شخص کا انتقال ہوا۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ یہ بڑے رنجیدہ ہوئے۔ پھر کچھ عرصے بعد دیکھا کہ وہ جنت میں داخل ہو گئے ہیں۔ چناں چہ ان سے پوچھا کہ تم تو جہنم میں تھے، تم جنت میں کیسے آ گئے؟ کہنے لگے: ہمارے بالکل قریب بغل میں ایک نیک

آدمی دفن ہوا، اس کی سفارش سے قریب کے چالیس آدمیوں کو نجات مل گئی، میں بھی ان چالیس میں سے ہوں۔ نیک لوگوں کا ساتھ دنیا میں بھی اچھا اور قبر میں بھی اچھا۔

ایصالِ ثواب کی تعریف

ایصالِ ثواب کسے کہتے ہیں؟ اسے بھی آج ہم سمجھ کر جائیں۔ ایصالِ ثواب کہتے ہیں کہ ہم نے کوئی نیکی کی، اس پر ہمیں کوئی ثواب ملا وہ ہم آگے بھیج دیں۔ یہاں سے کیا ظاہر ہوا کہ ثواب ملنا پہلے ضروری ہے۔ اگر ہم نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمیں کچھ نہیں ملا تو آگے کیا بھیجیں گے؟ یہ دو باتیں ایصالِ ثواب کے لیے ہیں:

1 ۔ عمل کا شریعت کے مطابق ہونا۔

2 ۔ خالصتاً اللہ کے لیے ہونا۔

یہ دو باتیں جب عمل میں ہوں گی، تب ہمیں ثواب ملے گا۔ پھر ہم کسی کو بھیج سکیں گے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بات نہ ہو، یا اگر دونوں ہی نہ ہوں تو ہمیں ہی ثواب نہیں ملا تو پھر آگے کیا بھیجنا۔

ایصالِ ثواب کیا کریں؟

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مختلف روایات سے منقول ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم قبرستان میں داخل ہونے لگو تو سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۂ ناس، سورۂ فلق (ایک ایک مرتبہ) اور سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھو۔ پھر یوں دعا کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ فَضْلَهٗ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ۔ (فتاوی الأزهر)

ترجمہ: ”اے اللہ! اس کا ثواب قبرستان والوں کو عطا کر دیجیے“۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں آئے اور سورۃ یٰس پڑھے تو اللہ پاک اس دن ان قبرستان والوں سے عذابِ قبر میں تخفیف فرما دیتے ہیں۔ یعنی اس دن عذابِ قبر ہلکا کر دیتے ہیں۔ (تفسیر ثعلبی: 161/2/3)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے جنت کے درجات میں ترقی ہوتی رہتی ہے تو وہ حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ یہ مجھے کس وجہ سے ملے؟ اسے کہا جاتا ہے کہ تیرے بیٹے نے تیرے واسطے استغفار کیا تھا۔

(سنن ابن ماجہ: رقم 3660)

قبروں والے زندہ لوگوں کے ثواب کے اس طرح منتظر رہتے ہیں جیسے ڈوبتا ہوا کسی لکڑی کے سہارے کا محتاج ہو۔

مروجہ قرآن خوانی

اب ہمارے ہاں قرآن خوانی ہوتی ہے۔ قرآن خوانی کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ کون سا دن منتخب کیا جائے میت کے لیے؟ یاد رکھیے کہ شریعت کے اندر قرآن خوانی کے لیے کوئی دن نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سوا لاکھ کے قریب تھے، کوئی دن ان سے اس طرح قرآن خوانی کرنا ثابت نہیں۔ پھر صحابہ کے بعد تابعین، ان کے بعد پھر تبع تابعین تھے، کسی سے بھی یہ ثابت نہیں۔ یہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔ اور یہ بھی سارے دنیا سے گئے ہیں، اور یقیناً ان کو بھی اپنے جانے والوں سے محبت تھی۔ حساب و کتاب ان کے زمانے میں بھی تھا، مگر انہوں نے کوئی دن متعین و مقرر نہیں کیا۔ اور ہمارے ہاں جو دن مقرر ہیں کہ اتنے دن ہو گئے، اب اتنے دن ہو گئے۔ گنتی ہوا کرتی ہے تو یہ سب خلافِ سنت ہے۔ اس کا شریعت سے کوئی ثبوت نہیں۔

قرآنِ پاک کا ثواب پہنچانا

دیکھیں! قرآن پاک کے ایصالِ ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ ہم جب چاہیں اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے قرآن پاک پڑھیں، اور اپنے مرحومین کو اور پوری امت کے مرحومین کو ثواب پہنچائیں، بلکہ پوری امت ہی کیا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جتنے ایمان والے دنیا سے چلے گئے ان کو بھی بھیج دیں۔ جب موقع ملے، جب یاد آئے۔ اولاد کو چاہیے اگر والدین کے لیے کرنا ہے، اگر بڑوں کے لیے کرنا ہے تو ایک مستقل ترتیب بنائیں۔ ایک سپارہ، آدھا سپارہ، دو سپارے کچھ بھی ترتیب بنالیں۔ اگر ناظرہ بھی نہیں پڑھ سکتے تو سورۂ فاتحہ ہی پڑھ لیجیے۔ سورۂ اخلاص ہی بارہ دفعہ پڑھ لیجیے۔ کوئی جو کچھ بھی کرسکتا ہے، وہ کرتا رہے اور زندگی بھر کرتا رہے۔ یہ مخصوص دنوں کی بات نہیں ہے، مخصوص اوقات کی بات ہے۔ جب یاد آتا جائے کرتے چلے جائیں اور بس۔ پڑھنے والے اللہ کی رضا کے لیے پڑھیں تو اس کا ثواب ان شاء اللہ ہوگا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

گلدستہ سنت جلد 1

گلدستہ سنت جلد 2

گلدستہ سنت جلد 3

گلدستہ سنت جلد 4

نصیحت بشکل وصیت

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

''وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کر دیتا ہے جسے حکمت عطا ہو گئی اور اسے وافر مقدار میں بھلائی مل گئی۔''

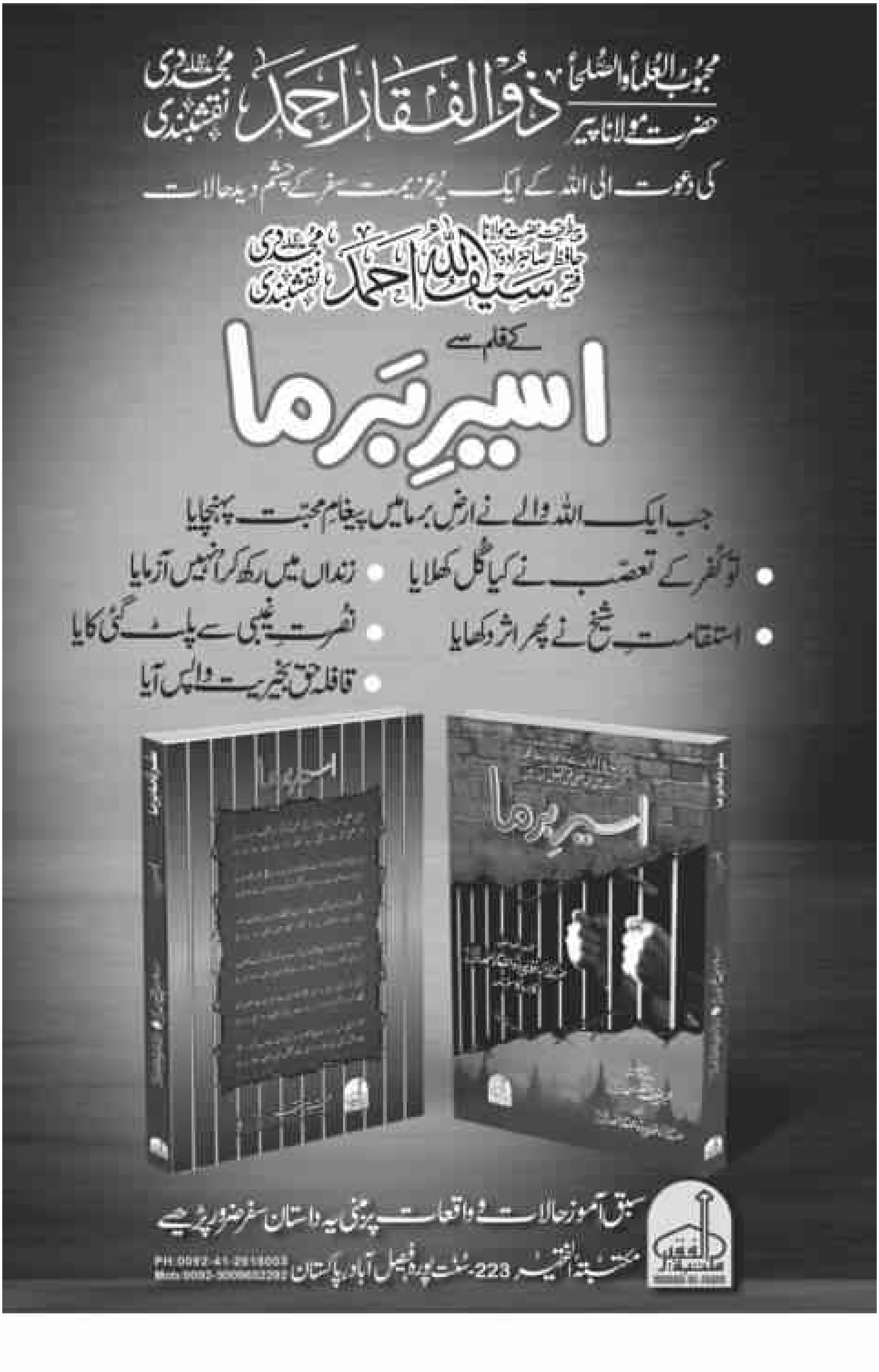
اُمت محمدیہ میں بھی حکمت کی باتیں کرنے والے کچھ حضرات گزرے ہیں، جن میں سے ایک ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ابن عطاء اللہ اسکندری ؒ تھے۔ مصر کی مشہور یونیورسٹی ''جامعۃ الازھر'' میں پڑھاتے تھے۔ ان کی ایک حکمت بھری بات دل میں ایسی آئی کہ پیوست ہو گئی۔ لہٰذا فقیر نے ابن عطاء اللہ اسکندری کی کتاب ''الحکم العطائیۃ'' پر کام کرنا شروع کر دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما کر قارئین کے کے لیے نافع بنادے



اپنے کریم پروردگار سے کیسے مانگیں؟

دنیا اور آخرت کی ہر تکلیف و پریشانی کے رفع ہونے اور ہر نعمت و راحت کے حاصل ہونے کے لیے ہم خالق و مالک حقیقی کی عطا کے محتاج ہیں۔ رزق جسمانی ہو یا روحانی، دونوں جہانوں کے خزانوں پر اللہ رب العزت ہی کی قدرت ہے۔ تو جب مالک بھی وہ ہے اور دینا بھی اسی نے ہے اور وہ دینا چاہتا بھی ہے، بلکہ حکم فرما رہا ہے کہ مجھ سے مانگو تو ہمیں چاہیے کہ ہم اسی سے مانگیں اور دل کھول کے مانگیں، دنیا بھی مانگیں اور آخرت بھی۔




محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر
ذوالفقار احمد
نقشبندی مجددی
کی دعوت الی اللہ کے ایک پُرعزیمت سفر کے چشم دید حالات
سیف اللہ احمد
نقشبندی مجددی
کے قلم سے
اسیرِ برما
جب ایک اللہ والے نے ارضِ برما میں پیغامِ محبت پہنچایا
تو کفر کے تعصب نے کیا گل کھلایا
زنداں میں رکھ کر انہیں آزمایا
استقامتِ شیخ نے پھر اثر دکھایا
نصرتِ غیبی سے پلٹ گئی کایا
قافلہ حق بخیریت واپس آیا
سبق آموز حالات و واقعات پر مبنی یہ داستانِ سفر ضرور پڑھیے
مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد پاکستان

مکتبۃ الفقیر کی نئی شائع شدہ کتب



الکہف پبلیکیشنز کی کتب ملنے کے پتے

AL-KAHAF PUBLICATIONS

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد

☎

لاہور	ابراہیم اکیڈمی:	بالمقابل قطب مسجد، شاہ جمال، لاہور فون نمبر 042-35404425
	جامعہ رقیۃ للبنات:	اقبال ہاؤس، 31\A-1 چیکو روڈ ٹاؤن شپ لاہور 0301-4496600
	مکتبہ سید احمد شہید لاہور:	اردو بازار لاہور 042-37228272
	ادارہ اسلامیات:	190 انارکلی لاہور 042-37353255
	مکتبہ رحمانیہ:	اردو بازار 042-37224228
	[illegible]:	16-A مین روڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور 0423-7632902
	یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ:	بالمقابل چڑیا گھر، شاہراہ قائد اعظم لاہور 0300-0321-0334-0313-9489624
ملتان	ادارہ تالیفات اشرفیہ:	فوارہ چوک ملتان 0322-6180738,061-4540513
	مکتبہ امدادیہ:	ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965
پشاور	مکتبہ دار الاخلاص:	قصہ خوانی بازار پشاور 091-2567539
	مکتبہ عمر فاروق:	قصہ خوانی بازار پشاور 0301-8845715
اکوڑہ خٹک	مکتبہ سید احمد شہید:	جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک 0923-630946
حاصل پور	دار اللطائف:	نزد پرانی چونگی، حاصل پور 0622442059,0300-7853059
کراچی	عادل خلیل بہادر آباد کراچی	0300-2001060، 181
	دار الاشاعت:	اردو بازار کراچی 021-2213768
	علمی کتاب گھر:	اوجا روڈ اردو بازار کراچی 021-32634097
	احسن محمود امام خطیب جامع مسجد طیبہ و استاذ:	جامعہ دار العلوم کراچی مکان نمبر 125k ایریا کورنگی کراچی فون نمبر: 0321-2660180
جہلم	حضرت مولانا گل رئیس صاحب:	حضرت قاری سلیمان صاحب (مدظلہم) دار الہدیٰ جہلم
راولپنڈی	جامعہ الصالحات:	محبوب سٹریٹ ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ، راولپنڈی 051-5462347



گلدستۂ سنت

نقش قدم نبی ﷺ کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

- رزق میں حلال کی اہمیت
- توکل اور قناعت
- تجارت کے اصول
- لوگوں کے ساتھ میل جول
- کم بولنا، اچھا بولنا
- نکاح میں برکات کیسے حاصل کریں؟
- ماہ محرم پارٹ 2
- پردہ پوشی
- امانت داری
- موت کا وقت مقرر ہے
- کن حالات میں موت افضل ہے؟
- موت کے بعد کفن اور غسل
- قبر کے تین سوال
- ایصال ثواب پارٹ 2

الکہف ایجوکیشنل ٹرسٹ
AL-KAHAF EDUCATIONAL TRUST

ISBN 969775905-7
9 789697 759057

عشقِ الٰہی

سوشل میڈیا پلیٹ فارمز

حافظ محمد ابراہیم نقشبندی مجددی

خلیفہ مجاز

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

کے بیانات کے کلپس اور اصلاحی پوسٹس
واٹس ایپ (whats app) کے ذریعے
حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل نمبرز پر
واٹس ایپ (whats app) کریں

0092 321 5552493
0092 321 4427144
0092 300 9406489

Follow Ishq-e-ilahi on Social Media for Live Bayanat and clips

/ishqeilahi1

ishqeilahi.com

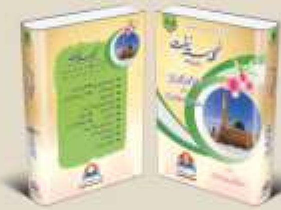
ہماری دیگر مطبوعات

حافظ محمد ابراہیم نقشبندی مجددی

خلیفہ مجاز

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

کی روزمرہ سنتوں کے
بیانات کی کتابی شکل گلدستہ سنت



جلد1 | جلد2 | جلد3 | جلد4

روزمرہ پیش آمدہ ضروریات ومشکلات میں
آسانی کے لیے دعاؤں اور وظائف کا مجموعہ
''گلدستہ وظائف''



آسیب، سحر اور دوسرے خطرات
سے حفاظت کیلیے ایک نہایت مجرب عمل

